ماہنامہ

صدائے شبلی

حیدرآباد

اگست August 2024

Urdu Monthly
SADA E SHIBLI
Hyderabad
ISSN: 2581-9216

جستجو شرط ہے انساں کی بلندی کے لیے
تو جہاں آج نہیں پہنچا ہے کل پہنچے گا

زیر تعمیر عمارت مجوزہ نقشہ
شبلی انٹرنیشنل ایجوکیشنل ٹرسٹ حیدرآباد

ایڈیٹر مولانا ڈاکٹر محمد محامد ہلال اعظمی

قیمت: -/20 روپے

www.shibliinternational.com

ماہنامہ حیدرآباد

صدائے شبلی

Monthly Hyderabad

SADA E SHIBLI

اگست Aug 2024 جلد: Vol: 7 شمارہ: Issue: 78

ISSN: 2581-9216

مدیر:

ڈاکٹر محمد محامد ہلال اعظمی

نائب مدیران:

ڈاکٹر عبدالقدوس

ڈاکٹر سراج احمد انصاری

ابو ہریرہ یوسفی

قیمت فی شمارہ:	20/-
سالانہ:	220/-
رجسٹرڈ ڈاک:	350/-
بیرونی ممالک:	50/- امریکی ڈالر
خصوصی تعاون:	2000/-

SADA E SHIBLI
A/c: 1327102000023922
Ifsc: IBKL0001327
IDBI Bank: CHARMINAR HYD, T.S

Email: sadaeshibli@gmail.com

Mob: 9392533661 - 8317692718

ماہنامہ ''صدائے شبلی'' حیدرآباد میں مقالہ نگاران سے ادارہ کا متفق ہونا ضروری نہیں ہے

مجلس مشاورت:

پروفیسر اشتیاق احمد ظلی۔ پروفیسر مظفر علی شہہ میری

پروفیسر محسن عثمانی ندوی۔ پروفیسر ابوالکلام

پروفیسر شاہد نوخیز اعظمی۔ ڈاکٹر محمد الیاس اعظمی

مفتی محمد فاروق قاسمی۔ مولانا ارشاد الحق مدنی

ڈاکٹر نادر المسدوسی، مولانا محمد مساعد ہلال احیائی

اعجاز علی قریشی ایڈوکیٹ۔ محمد سلمان انجینئر

مجلس ادارت:

ڈاکٹر محمد رفیق۔ ڈاکٹر حمران احمد۔ ڈاکٹر ناظم علی

ڈاکٹر مختار احمد فردین۔ ڈاکٹر غوثیہ بانو

ڈاکٹر سید امام حبیب قادری۔ ڈاکٹر سید اسرار الحق سبیلی

ڈاکٹر سمیہ تمکین۔ ڈاکٹر صالحہ صدیقی۔ ڈاکٹر نوری خاتون

ڈاکٹر فاروق احمد بھٹ۔ ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خان

ڈاکٹر آصف لئیق ندوی۔ ڈاکٹر مظفر علی ساجد۔

مولانا عبدالوحید ندوی۔ مولانا احمد نور عینی

ابو ہریرہ ایوبی۔ محسن خان

ہر طرح کی قانونی چارہ جوئی صرف حیدرآباد کی عدالت میں ہوگی

محمد محامد ہلال (اونر، پبلشر، پرنٹر، ایڈیٹر) نے دائرہ الیکٹرک پریس میں چھپوا کر حیدرآباد تلنگانہ سے شائع کیا

خط و کتابت کا پتہ

MOHD MUHAMID HILAL #17-6-352,
B1, 2nd Floor,Bafana Complex,
Dabirpura Road, Purani Haveli,
Hyderabad- 500023. T.S

فہرست مضامین

۱	اپنی بات	ڈاکٹر محمد محامد ہلال اعظمی	۵
۲	اخلاقِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم	علامہ شبلی نعمانیؒ	۶
۳	**صالحیت**	مولوی حبیب الرحمٰن	۷
۴	وقف ایکٹ ترمیمی بل 2024-مکمل لوٹ کی منظم منصوبہ بندی	امداد الحق بختیار	۱۰
۵	**غزل**	پروفیسر مظفر شہ میری	۱۴
۶	ایک خوف ناک 'حسینہ' کا عبرت ناک انجام	ڈاکٹر محمد اعظم ندوی	۱۵
۷	اسلام میں وقف کی اہمیت اور وقف ترمیمی بل ۲۰۲۴ء	امانت علی قاسمی	۱۹
۸	**غزل**	ڈاکٹر نادر المسدوسی	۲۳
۹	''گھٹا کا رُخ'' کی شاعری کا تنقیدی جائزہ	پروفیسر مجید بیدار	۲۴
۱۰	اگر آپ پڑھا ہوا علم بھول جاتے ہیں تو علم میں پختگی کیسے آتی ہے	سید مہتاب عالم	۲۸
۱۱	سوشل میڈیا اور اردو زبان وادب	محمد سالم قاسمی سریانوی	۳۰
۱۲	**غزل**	جہانگیر قیاسؔ	۳۱
۱۳	پری ناز اور پرندے ایک تنقیدی مطالعہ (دوسری قسط)	ڈاکٹر ناظر حسین خان	۳۲
۱۴	اردو کی بقا کے لیے حضرت رحمان جامی کی جہد مسلسل کو دنیا فراموش...	مولانا صوفی خیر الدین صوفی	۳۶
۱۵	فضائل ماہِ صفر اور نعتیہ ومنقبتی مشاعرہ کا انعقاد	ظہور ظہیر آبادی	۳۸
۱۶	**طرحی غزل**	سردار سلیم	۳۹
۱۷	آزادی کا مطلب مجاہدین آزادی کے خوابوں کو پورا کرنا-آزادی....	مولانا ڈاکٹر محمد محامد ہلال اعظمی	۴۰

ماہنامہ ''صدائے شبلی'' کے خصوصی معاونین

جناب **ابوسفیان اعظمی**، مقیم حال ممبئی

جناب **محمد یوسف** بن الحاج محمد منیر الدین عرف ولی مرحوم، حیدرآباد

مفتی **محمد فاروق قاسمی**، صدر علماء کونسل وجے واڑہ، آندھرا پردیش

ڈاکٹر سید **جلیل حسین** ایم ڈی (علیگ) ٹولی چوکی حیدرآباد

مولانا **منصور احمد قاسمی**، معین آباد، تلنگانہ

الحاج **رئیس احمد اقبال**، انجینئر صدر سہارا ویلفیئر سوسائٹی، حیدرآباد

الحاج **محمد زکریا انجینئر** (داماد استاذ الاساتذہ حضرت عبدالرحمٰن جامیؒ)

ڈاکٹر **شہباز احمد**، پروفیسر گورنمنٹ نظامیہ طبی کالج چارمینار، حیدرآباد

مولانا **محمد عبدالقادر سعود**، نائس جوس سینٹر سکندرآباد، حیدرآباد

الحاج **محمد قمر الدین**، نبیل کالونی بارکس حیدرآباد

الحاج **محمد عبدالکریم**، صدر مسجد اشرف کریم کشن باغ، حیدرآباد

اپنی بات

ہمارے ملک میں ہر خاص وعام کی زبان پر وقف کا لفظ جاری ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ موجودہ حکومت نے وقف کے معاملہ میں ایک ترمیمی بل لوک سبھا میں رکھ کر پاس کرنے کی کوشش کی، اپوزیشن کی مخالفت کی وجہ سے بل پاس نہ ہوسکا جس کی وجہ سے اس وقف ترمیمی بل کے لئے ایک کمیٹی تشکیل دی گئی ہے اور وہ کمیٹی اس بل کے فوائد ونقصانات کا جائزہ لے کر رپورٹ داخل کرے گی۔
سوال یہ ہے کہ موجودہ وقف بورڈ میں کیا خرابی ہوئی کہ اس میں ترمیم کرنے کی ضرورت پڑی یا اس کے اندر کچھ اور راز؟ شریعت اسلامی میں خیرات اور صدقہ غیروں پر محدود نہیں بلکہ خود اپنے اہل وعیال کو دینا بھی صدقہ اور خیرات ہے۔ خیرات کے دو طریقے ہیں ایک یہ کہ اصل چیز خیرات کردی جائے۔ دوسرے یہ کہ اصل چیز محفوظ رہے اور اس کا منافع یا آمدنی خیرات میں صرف ہوتی رہے۔ اس دوسری قسم کا نام وقف ہے۔ وقف میں وقف کرنے والے کی منشا بہت اہمیت کی حامل ہوتی ہے۔ کیوں کہ وقف کی اصل شئ نہ کسی کی ملک ہوسکتی ہے نہ فروخت ہوسکتی، نہ منتقل ہوسکتی۔

وقف کی حقیقت خود رسول اللہ ﷺ نے متعین فرمادی تھی، حضرت عمرؓ کو خیبر میں ایک نخلستان کھجوروں کا باغ ہاتھ آیا، انہوں نے حضور ﷺ سے عرض کیا کہ میں خیرات کرنا چاہتا ہوں، کس طریقہ سے کروں، آپ ﷺ نے فرمایا: اصل محفوظ رہے یعنی نہ بک سکے، نہ ہبہ ہوسکے، نہ اس میں وراثت جاری ہو (ماخوذ مقالات شبلی اول ص ۸۹)

ہمارے ہندوستان میں تقریباً آٹھ نو لاکھ ایکڑ زمین وقف کی ہے جو مساجد، مدارس، خانقاہ، درگاہ، عاشور خانہ، قبرستان، یتیم خانہ، سرائے خانہ وغیرہ کے لئے وقف کی گئی ہیں۔ ان اوقاف کردہ املاک پر مرکزی حکومت اور صوبائی حکومتوں نے شعبۂ وقف بنا کر نگراں مقرر کر رکھا ہے، ظاہری بات ہے کہ اوقاف مسلمانوں کی ہے تو اس پر حکومت کی طرف سے مسلمان ہی مقرر ہوتا ہے۔ انسان خطا اور نسیان سے مرکب ہے، حالات، لالچ نفس اور شیطان کے چکر میں آکر اپنی ذمہ داری کو پورا کرنے سے قاصر ہوجاتا ہے، اس کا جواب تو اللہ کے حضور دینا ہی پڑے گا، مگر اس کی اس خرابی نے یا حکومت کی بدنیتی نے قوم وملت کا بہت بڑا خسارہ کردیا جس کی وجہ سے وقف ترمیمی بل لاکر شریعت میں دخل اندازی کرنے کی ناکام کوشش ہورہی ہے۔ اللہ رب العزت ہم مسلمانوں کو اوقاف کی حفاظت کرنے کی قوت عطا فرمائے (آمین)

۱۵؍اگست ۱۹۴۷ء کو ہمارا ملک انگریزوں کے چنگل سے آزاد ہوا تھا، اس وجہ سے پورے ملک میں ہر ۱۵؍اگست کو جشن آزادی منائی جاتی ہے۔ آزادی کے موقع پر ترنگا جھنڈا لہرایا جاتا ہے اور مجاہدین آزادی کو خراج عقیدت پیش کی جاتی ہے۔ آزادی کی جنگ میں ہندو، مسلم، سکھ، عیسائی سبھی شریک رہے، مدارس اسلامیہ کا بڑا اہم رول رہا ہے۔ آزادی کے بعد ملک نے سبھی شعبے میں ترقی کی مگر کچھ کج فہم لوگوں نے ملک میں نفرت کا ماحول بنا رکھا ہے اور وہ اقتدار کی ہوس میں ملک کے دستور کے خلاف کام کر رہے ہیں، انھیں ہوش کے ناخن لینے کی ضرورت ہے، کیوں کہ اس ذہنیت سے ملک اور انسانیت زوال پذیر ہوگی۔

شبلی انٹرنیشنل ایجوکیشنل ٹرسٹ حیدرآباد کی جانب سے سبھی کو یوم آزادی کی مبارکباد پیش کی جاتی ہے۔

محمد محامد ہلال اعظمی

اخلاقِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم

علامہ شبلی نعمانیؒ

تم آنحضرت ﷺ کے حلم وعفو، مساحت ودرگذر کے سیکڑوں واقعات پڑھ چکے، نظر آیا ہوگا کہ اس خزانہ رحمت میں دوست ودشمن، کافر ومسلم، بوڑھے، بچے، عورت، مرد، آقا وغلام، انسان وحیوان ہر ایک صنف ہستی برابر کی حصہ دار تھی۔

ایک صاحب نے آپ ﷺ سے کسی پر بددعا کرنے کی درخواست کی تو غضب ناک ہوکر فرمایا ''میں دنیا میں لعنت کے لیے نہیں آیا ہوں، رحمت بنا کر بھیجا گیا ہوں''۔ آپ ﷺ نے دنیا کو پیغام دیا: **لا تباغضوا ولا تحاسدوا ولا تدابروا وکونوا عباد الله اخوانا.**

ایک دوسرے پر بغض وحسد نہ کرو، ایک دوسرے سے منھ نہ پھیرو اور اے خدا کے بندو سب آپس میں بھائی بن جاؤ۔ ایک اور حدیث میں حکم فرمایا: **احب للناس ما تحب لنفسک تکن مسلما** لوگوں کے لیے وہی چاہو جو اپنے لیے چاہتے ہو تو مسلم بنو گے۔

حضرت انسؓ سے مروی ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا:

لا یؤمن أحدکم حتی یحب للناس ما یحب لنفسه وحتی یحب المرء لا یحبه الا لله عزوجل.

تم میں سے کوئی شخص اس وقت تک کامل مومن نہیں ہوسکتا جب تک وہ سب لوگوں کے لیے وہی محبوب نہ رکھے جو اپنے لیے رکھتا ہے، جب تک وہ دوسرے کو بے غرض صرف خدا کے لیے پیار نہ کرے۔

ایک شخص نے مسجد نبویؐ میں آکر دعا کی ''خدایا! مجھ کو اور محمد ﷺ کو مغفرت عطا کر'' آپ ﷺ نے فرمایا ''خدا کی رحمت کو تم نے تنگ کردیا'' ایک اور روایت میں ہے کہ ایک اعرابی مسجد نبویؐ میں آیا اور آپ ﷺ کے پیچھے نماز پڑھی، نماز پڑھ کر اپنے اونٹ پر سوار ہوا اور بولا ''خداوند! مجھ پر اور محمد ﷺ پر رحمت بھیج اور ہماری رحمت میں کسی اور کو شریک نہ کر'' آپ ﷺ نے صحابہؓ کی طرف خطاب کرکے فرمایا ''بتاؤ یہ زیادہ راہ بھولا ہوا ہے یا اس کا اونٹ'' یعنی آپ ﷺ نے اس قسم کی دعا کو ناپسند فرمایا۔

رقیق القلبی: آنحضرت ﷺ نہایت رحم دل اور رقیق القلب تھے، (مالک بن حویرث ایک وفد کے رکن بن کر خدمت اقدس میں حاضر ہوئے تھے، ان کو بیس دن تک مجلس نبویؐ میں شرکت کا موقع ملا تھا، وہ فرماتے تھے: **کان رسول الله ﷺ رحیما رفیقا.** آنحضرت ﷺ رحیم المزاج اور رقیق القلب تھے۔

حضرت زینبؓ کا بچہ مرنے لگا تو انھوں نے آنحضرتؐ کو بلا بھیجا اور قسم دلائی کہ ضرور تشریف لائیے، مجبوراً آپ ﷺ تشریف لے گئے، حضرت سعد بن عبادہؓ، معاذ بن جبلؓ، ابی بن کعبؓ، زید بن ثابتؓ بھی ساتھ تھے، بچہ کو لوگ ہاتھ میں لے کر سامنے لائے، وہ دم توڑ رہا تھا، بے اختیار آپ ﷺ کی آنکھوں سے آنسو جاری ہوگئے، حضرت سعدؓ کو تعجب ہوا کہ یا رسول اللہ! یہ کیا؟ فرمایا ''خدا ان ہی بندوں پر رحم کرتا ہے جو اوروں پر رحم کرتے ہیں۔

غزوۂ احد کے بعد جب آپ ﷺ مدینہ تشریف لائے تو گھر گھر شہیدوں کا ماتم برپا تھا، مستورات اپنے اپنے شہیدوں پر نوحہ کررہی تھیں، یہ دیکھ کر آپ ﷺ کا دل بھر آیا اور فرمایا ''حمزہؓ (عم رسول اللہ) کا کوئی نوحہ خواں نہیں''۔

(سیرۃ النبیؐ، جلد: دوم، ص: ۳۱۱-۳۱۲)

مولوی حبیب الرحمن۔حیدرآباد

صالحیت

اللہ تعالیٰ قرآن میں سیدنا ابراہیمؑ اور اسماعیلؑ کا اسوہ بیان فرماتے ہیں "وَاِذْ يَرْفَعُ اِبْرٰهٖمُ الْقَوَاعِدَ مِنَ الْبَيْتِ وَاِسْمٰعِيْلُ رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا اِنَّكَ اَنْتَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ رَبَّنَا وَاجْعَلْنَا مُسْلِمَيْنِ لَكَ وَمِنْ ذُرِّيَّتِنَآ اُمَّةً مُّسْلِمَةً لَّكَ وَاَرِنَا مَنَاسِكَنَا وَتُبْ عَلَيْنَا اِنَّكَ اَنْتَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ" (سورہ البقرہ:127-128) ترجمہ: (اور جس وقت ابراہیمؑ اور اسماعیلؑ اس گھر کی (تعمیر کر رہے تھے) دیواریں بلند کر رہے تھے (ان کی دعا یہ تھی) اے ہمارے رب ہم سے یہ خدمت قبول فرما۔ بے شک آپ ہی (دعاؤں کے) سننے والے (اور ہماری دلی تمناو?ں کو) جاننے والے ہیں۔ اے ہمارے رب (پیدا کرنے والے) پروردگار ہم کو اپنا اطاعت گزار بندے بنا لیجئے۔ نہ صرف ہم کو بلکہ ہماری نسلوں کو بھی ایسی امت بنائیے جو آپ ہی کی فرمانبردار ہو اور ہم کو اس گھر کی زیارت کے آداب (یعنی مناسکِ حج وعبادات کے طریقے) بتا دیجئے اور ہمارے حال پر ہمیشہ توجہ فرماتے رہیئے۔ بے شک آپ بڑے ہی معاف کرنے والے اور بڑے ہی توبہ قبول کرنے والے رحیم ہیں۔) دعا کے قرآنی آداب یہ ہیں۔

1۔ "وَادْعُوْهُ خَوْفًا وَّطَمَعًا" (سورہ الاعراف:56) ترجمہ: (اور اس سے دعا کرو ڈرتے ہوئے اور امید رکھتے ہوئے۔) ڈر یہ کہ کہیں یہ معروضہ مرضیٔ رب کے خلاف تو نہیں، کوئی گستاخی تو نہیں اور امید یہ کہ حق تعالیٰ دعا یقینی قبول کرتے ہیں۔ "اُدْعُوْنِیْٓ اَسْتَجِبْ لَكُمْ" (سورہ المؤمن :60) ترجمہ: (مجھ سے دعا کرو میں قبول کرتا ہوں۔)

2۔ "اُدْعُوْا رَبَّكُمْ تَضَرُّعًا وَّخُفْيَةً" (سورہ الاعراف: 55) ترجمہ: (اپنے رب سے دعا کرو عاجزی سے اور آہستہ۔) یعنی دعا میں تضرع زاری ہو عاجزی و منت ہو۔

اجابتِ دعا (مقبولیتِ دعا) کے متعلق ایک غلط فہمی یہ پیدا ہوگئی ہے کہ لوگ سمجھتے ہیں کہ ہم جو دعا کریں، جو مانگیں وہی مل جائے حالانکہ حق تعالیٰ حکیم وعلیم ہیں اور بندہ نہیں جانتا کہ کس چیز میں اس کا حقیقی نفع وضرر ہے۔ ضروریات وخواہشات سے مجبور ہوکر بندہ دعا کرتا ہے۔ اللہ علیم وحکیم، بندہ کے نفع وضرر کے لحاظ سے اس کو فوری یا بدیر قبول کرتے ہیں۔ لہٰذا اجابتِ دعا (مقبولیتِ دعا) کے معنی یہ ہیں کہ اگر دعا میں دنیوی یا دینی ضرر نہ ہو تو بعینہٖ فوری یا بدیر قبول کی جائے گی اس معنی میں بندۂ مومن کی ہر دعا قبول ہوتی ہے۔ خصوصاً مغفرت اور نفعِ آخرت کی ہر دعا فوراً قبول ہوجاتی ہے۔ غرض کاروبار ومعاملات زندگی میں دعا کی توفیق اور اجابتِ دعا (رب سے جڑنا) کا صحیح مفہوم ایک خاص نعمتِ الٰہی ہے جو ہر مانگنے والے کو عطا کی جاتی ہے۔

اللہ جل شانہٗ کو حاجت روا، کارساز ومستعان تسلیم کرنے کے بعد ممکن نہیں کہ مومن اللہ کے سوا کسی اور کے آگے اپنی حاجتیں پیش کرے، مشکلات میں، مصائب میں مدد کے لئے کسی اور کو پکارے، کسی اور کے آگے ہاتھ پھیلائے، عاجزی و ذلت کا اظہار کرے، بزرگانِ دین نے بھی جس سے منع کیا، اس کے برخلاف بزرگوں کو مشکل کشا و کارساز سمجھ کر ان کو مدد

کے لئے پکارنا ان سے محبت نہیں دشمنی ہے۔ ان کا احترام نہیں' ان کی تعلیم کی تحقیر ہے جو اللہ کا ولی ہے وہ ہرگز ایسی مشرکانہ تعلیم نہیں دے سکتا۔ اللہ جل شانہٗ اس آیت کریمہ: "وَاِذَا سَاَلَکَ عِبَادِیْ عَنِّیْ فَاِنِّیْ قَرِیْبٌ اُجِیْبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ اِذَا دَعَانِ" (سورہ بقرہ 186) ترجمہ: (جب آپ سے میرے بندے میرے متعلق دریافت کریں تو (کہہ دیجئے) کہ میں قریب ہوں اور دعا کرنے والے کی دعا سنتا ہوں جب وہ مجھ سے دعا کریں۔) میں اللہ تعالیٰ اپنے قریب ہونے کا علم اس لئے دے رہے ہیں کہ ان کے حاجت مند بندے اپنی حاجتوں میں ان ہی سے مدد مانگیں مگر افسوس کہ اللہ تعالیٰ کے قریب ہونے کا علم دینے کی غرض و غایت کو بھول کر لوگ اس چکر میں پھنس گئے کہ اللہ تعالیٰ کیسے قریب ہیں۔ نتیجہ یہ ہوا کہ ہر در کو درِ جاناں سمجھ کر اسی پر سر رکھ دیا۔ معلمِ حکمت صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم ہے کہ "جب تم سوال کرو تو اللہ ہی سے سوال کرو اور جب مدد مانگو تو اللہ ہی سے مدد مانگو۔"

۸) اطاعتِ حق

خوف و رجا' شکر' صبر و رضا' محبت' ذکر' توکل' دعا (تعلق باللہ) کا لازمی قدرتی اثر اللہ تعالیٰ کی اطاعت ہے۔ باطل شکن اطاعت ہے اسی سے ایمان باللہ' تعلق باللہ میں پختگی پیدا ہوتی ہے اس لئے حکم دیا گیا۔ "وَاَطِیْعُوا اللّٰہَ وَرَسُوْلَہٗٓ اِنْ کُنْتُمْ مُّؤْمِنِیْنَ" (سورہ الانفال: 1) ترجمہ: (اور اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرو اگر تم مومن ہو۔) یہی وہ اسلام ہے جو عند اللہ مقبول ہے جس کے بعد ذلت نہیں عزت ہے' پستی نہیں سربلندی ہے' حیرانی و پریشانی نہیں سکون و اطمینان ہے۔ دینِ اسلام اختیار کرنے کی غرض یہی ہے کہ زندگی سراپا بندگی ہوجائے اور مغفرت و جنت پا سکیں۔ اگر ماحول اس کے خلاف ہو تو قلب' ماحول سے راضی نہ رہے اور حتی المقدور ماحول کے خلاف قولاً و فعلاً جدوجہد جاری رہے اگر باطل ماحول سے چاہے وہ گھر کے اندر ہی کیوں نہ ہو' کراہیت اور قلبی مخالفت نہ ہو تو یہ ایمان کا ایسا نقص ہے جو خطرہ سے خالی نہیں' صحتِ ایمانی کے بعد زندگی سرتا پا بندگی ہوجانے کے لئے دینِ فطرت میں چار بنیادی عمل ہیں۔ نماز' زکوٰۃ' روزہ' حج مگر شعورِ بندگی قائم رکھنے کے لئے ان تمام اعمال میں نماز ہی ایک ایسا عمل ہے جو امیر و غریب' مرد و عورت' غلام و آزاد سب کے لئے یکساں طور پر ضروری ہے۔ زکوٰۃ' روزہ' حج کی طرح نماز دولت یا مخصوص مہینے و حالات پر مشروط نہیں ہے بلکہ کلمۂ طیبہ کے ذریعہ بندگی کا جو علم بخشا گیا ہے' نماز اس کی عملی مشق ہے۔ اسی لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خاص طور پر اس کی تعلیم دی ہے اور اس کے خیر و برکت بیان فرمائے۔ صحابہ کرامؓ کی زندگیوں میں یہی عمل نمایاں نظر آتا ہے۔ یہی وہ ذکر ہے' یہی وہ عمل ہے جس سے تزکیۂ نفس بھی ہوتا ہے اور تطہیر قلب بھی' عبد و رب کا تعلق نماز ہی کے ذریعہ قائم رہ سکتا ہے' تزکیۂ نفس کے لئے نماز کے بجائے دوسرے اشغال اور طریقوں کو اختیار کرنے کے معنی یہ ہیں کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہؓ نے جو اہمیت نماز کو دی ہے اس کی کوئی وقعت ہماری نظر میں نہیں۔ معلم کتاب صلی اللہ علیہ وسلم یہ تعلیم دے رہے ہیں۔ "واعلموا ان خیر اعمالکم الصلوٰۃ" (احمد' ابن ماجہ) ترجمہ: (یقین رکھو کہ تمہارے اعمال میں بہتر عمل نماز ہی ہے۔) "الصلوٰۃ نور" (مسلم) ترجمہ: (نماز نور ہے) "الصلوٰۃ معراج المؤمنین" (نماز ایمان والوں کی معراج ہے۔) اس مسنون عمل کے بجائے دوسرے غیر مسنون اعمال و اشغال کو اہمیت دینا عیاذاً باللہ' رسالت کو ناقص سمجھنا ہے۔ ان چار بنیادی اعمال

کوزندگی کی تعمیر سے جو ربط و مناسبت ہے وہ مختصراً عرض ہے۔

۱) نماز:

پاک وصاف ہوکر نیت صحیح کی جاتی ہے اور پختہ عزم کے ساتھ اپنے رب کے حضور میں فقیرانہ و عاجزانہ طریقہ سے حاضر ہوکر بندگی کا اقرار کیا جاتا ہے۔ پیمانِ عبدیت کی تجدید کی جاتی ہے۔ عرض کرتے ہیں کہ ہم آپ ہی کی عبادت کرتے ہیں۔ بغیر کسی توسط و ذریعہ کے آپ ہی سے مدد مانگتے ہیں۔ اپنی ہر قسم کی فلاح میں آپ ہی کی توجہ و دستگیری کے محتاج ہیں۔ استدعا کرتے ہیں کہ اس صراط مستقیم پر ہم کو چلایئے۔ جس کی منزل' فردوس بریں ہے۔ وہی آپ کی ابدی خوشنودی و رضا کا مقام ہے۔ اپنے ان بندوں کی اتباع و تقلید کی توفیق دیجئے' جن کو آپ نے خاص انعاموں سے سرفراز فرمایا ہے۔ دین و ایمان پر استقامت ایمان میں صدق' قرآنی بصیرت' ایمانی جرأت و فراست' اللہ تعالیٰ و رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت' ان کی اطاعت و فرمانبرداری' اہلِ حق سے محبت' حق کے مخالفین سے بغض' نیکیوں کی رغبت' برائیوں سے نفرت' حق پر قائم رہنے اور دینِ حق قائم کرنے کے لئے دنیا کا ہر نقصان گوارا کرنے کی ہمت' نیکیوں کی اشاعت اور برائیوں کو مٹانے کا عزم و حوصلہ' مصیبتوں میں صبر و رضاء' مرضی کے مطابق باتوں میں شکر' کاروبار میں توکل' ہر مشکل و حاجت میں اللہ تعالیٰ ہی سے دعا و استعانت' گناہ و لغزش میں توبہ وہ انابت' مخلوق سے بے خوفی و ناامیدی اور آپ ہی سے خوف و امید' ہر حرکت و سکون میں آپ ہی کے فضل و رحمت پر نظر' اس عالم میں یہی آپ کے خصوصی انعام ہیں۔ التجا ہے کہ اس خصوصی انعام سے ہم کو بھی سرفراز فرمایئے اور اس طرح سرفراز فرمایئے جیسا کہ "وَمَنۡ يُّطِعِ اللّٰهَ وَالرَّسُوۡلَ فَاُولٰٓـئِكَ مَعَ الَّذِيۡنَ اَنۡعَمَ اللّٰهُ عَلَيۡهِمۡ مِّنَ النَّبِيّٖنَ وَالصِّدِّيۡقِيۡنَ وَالشُّهَدَآءِ وَالصّٰلِحِيۡنَ‌ ۚ وَحَسُنَ اُولٰٓـئِكَ رَفِيۡقًا" (سورہ النساء:69)

ترجمہ: (جو لوگ اللہ اور رسول کی تعلیم و ہدایت کے مطابق زندگی بسر کرتے ہیں وہ قیامت کے دن اُن لوگوں کے ساتھ ہوں گے جن پر اللہ تعالیٰ نے بڑا فضل فرمایا (وہ فضل و انعام پانے والے) نبیّن' صدیقین اور شہداء و صالحین میں سے ہوں گے اور کیا ہی اچھا ہے اُن اصحاب کی رفاقت اور کیسے اچھے ہیں اُن کے رفیق) کہ پھر ہم آپ کے غضب کے مورد نہ ہوں اور نہ گمراہ' سرافگندہ ہوکر عبدیت و بندگی کا والہانہ اظہار کرتے ہیں اور اپنے معروضہ کی مقبولیت کا پروانہ لے کر ہی اٹھنے کی امید رکھتے ہیں۔ بندگی ُرب کے دو اجزاء ہیں رب ہی سے استعانت اور رب ہی کی عبادت' نماز میں دونوں کی مشق ہے۔

نماز' بارگاہِ رب العزت میں حاضر ہوکر صلاح و خیر و فلاح کی ایک مودبانہ درخواست و استدعاء ہے' رحمٰن و رحیم سے رحمت عام و خاص کی طلب ہے۔ مالکِ یوم الدین سے نجات و مغفرت کی استدعا ہے' ہدایت دینے والے سے بندگی کے عہد و پیمان پر قائم اور سرکشی و گمراہی سے محفوظ رکھنے کا معروضہ ہے ایک فقیر بے نوا اپنے داتا کے سامنے سرنگوں ہوکر بھیک مانگتا ہے۔ اس ادراک و دانش سے جو نماز پڑھی جائے گی اس میں خشوع بھی ہوگا حضور قلب بھی۔ ایسی ہی نماز سے فکر و عمل کی گندگی دور ہوتی ہے۔ بندگی کا شعور قائم رہتا ہے اور بندگی کے اعلیٰ مدارج حاصل کرنے کی قابلیت پیدا ہوتی ہے۔ نماز میں اللہ تعالیٰ کی ربوبیت کا استحضار ہے، اپنی محتاجی و بندگی اور انجامِ آخرت پیشِ نظر ہے۔ ان ہی باتوں سے نفس کا تزکیہ ہوتا ہے اور زندگی کے تمام تعلقات میں اللہ اور رسول کی اطاعت کا والہانہ جذبہ پیدا ہوتا ہے۔

(ماخوذ: رہنمائے فطرت، ص:۱۲۳-۱۲۷)

امداد الحق بختیار۔صدر شعبۂ عربی ادب جامعہ اسلامیہ دارالعلوم حیدرآباد

وقف ایکٹ ترمیمی بل2024-مکمل لوٹ کی منظّم منصوبہ بندی

وقف: خیر خواہی، ہمدردی، تعاون اور معاشرتی بہبود کی ایک بہترین شکل ہے، اور اسلام میں صدقہ جاریہ کی دیرپا اور محفوظ صورت ہے، اسلامی نقطہ نگاہ سے یہ ایک عبادت ہے، انسان اپنے دین، اپنی قوم وملت اور اس کے افراد کے لیے اپنی جائداد کا ایک حصہ ہمیشہ کے لیے اللہ تعالی کے نام پر وقف کرتا ہے، اسلام کی تاریخ کے ساتھ وقف کی روایت بھی قدیم ہے، عہدِ رسالت مآب ﷺ اور صحابہؓ کے زمانہ سے آج تک اور ان شاء اللہ قیامت تک یہ روایت برقرار رہے گی۔

ہندوستان میں مسلمانوں کی موقوفہ جائداد

ہندوستان میں اسلام کی آمد کے ساتھ ہی وقف کی روایت شروع ہوگئی تھی؛ یہاں بھی ہمارے اسلاف نے بڑی مقدار اور تعداد میں اپنی جائداد وقف کی ہیں، جو ہندوستان کے طول وعرض میں پھیلی ہوئی ہیں؛ ایک اندازہ کے مطابق ہندوستان میں تقریباً 8 تا10 لاکھ ایکڑ زمین وقف ہیں، جن کی قیمت 12000 بلین سے زائد ہے۔ ہندوستان میں سب سے زیادہ زمین ریلوے کے پاس ہے، اس کے بعد وزارت دفاع کے پاس ہے اور تیسرے نمبر پر اوقاف کی زمین ہیں۔ اوقافی جائیدادوں کے تعلق سے پارلیمانی کمیٹی نے اپنی ایک رپورٹ میں بتایا تھا کہ ہندوستان کی موقوفہ املاک سے سالانہ (25) کروڑ روپے کی آمدنی ہوتی ہے؛ لیکن ان کی حفاظت وخبرگیری کی جائے تو یہ آمدنی سالانہ چھ سو (600) کروڑ روپے باآسانی ہوسکتی ہے۔

لیکن ملک عزیز میں مسلمانوں کی بالادستی اور حکومت کے ختم ہوتے ہی، ان اوقافی جائدادوں پر بری نگاہیں پڑنے لگیں، حتی کہ ان کی صیانت اور حفاظت مسلمانوں کے لیے ایک چیلنج بن گئی، خاص طور پر آزادی کے بعد مسلمانوں کو جن مختلف سنگین مسائل کا سامنا کرنا پڑا، ان میں سے ایک بہت نازک اور تشویشناک مسئلہ موقوفہ جائیدادوں کا تحفظ اور اس کی آمدنی کا مناسب استعمال بھی ہے۔

اوقافی زمینوں کی لوٹ

ہر زمانے اور ہر دور میں ہر حکومت نے اوقافی جائدادوں پر قبضے کیے، ان کا من مانی استعمال کیا گیا، قبضہ کی یہ منحوس اور ظالمانہ روایت انگریزی دور اقتدار سے لے کر ابھی تک جاری ہے، اور اب موجودہ اقاف کی جائیدادوں میں سے تقریباً 80 فیصد پر حکومت اور عوام کا قبضہ ہوچکا ہے، صرف 20 فیصد اوقافی جائداد وقف بورڈ کے پاس محفوظ ہیں۔ سب سے بڑی مقدار میں ہریانہ اور پنجاب میں اوقافی جائداد پر قبضے کیے گئے، جہاں سے مسلمان ترک وطن کر کے پڑوسی ملک چلے گئے۔ اسی طرح مہاراشٹر میں بھی سب سے زیادہ اوقاف کے ساتھ خرد برد کی جارہی ہے؛ بلکہ خود ملک کی راجدھانی دہلی میں اوقافی کی زمینوں کا بیشتر حصہ حکومت اور عوام کے ناجائز قبضے میں ہے، تلنگانہ میں 77,538 ایکڑ اوقاف کی زمینات ہیں، ان میں سے صرف 16000 ایکڑ زمین قانونی چارہ جوئی سے پاک ہے، یعنی وقف بورڈ کے

پاس صرف 20 فیصد زمینات بچی ہیں، جن کی سالانہ آمدنی 50 سے 70 لاکھ کے درمیان ہے۔ دیگر ریاستیں: گجرات، راجستھان، مدھیہ پردیش، اتر پردیش اور بنگال کی صورت حال بھی بدتر ہے۔

اوقاف کی تباہی اور بربادی کے ذمہ دار مرکزی اور ریاستی حکومتوں کے ساتھ سیاسی لیڈران، اوقاف کے متولیان اور وقف بورڈس کا عملہ بھی ہے، ان میں سے جس کو جہاں موقع ملا، مال غنیمت سمجھ کر ان سب نے اوقاف کی جائداد کو دونوں ہاتھ سے لوٹا۔

اوقاف کی حفاظت اور وقف ایکٹ

اوقاف کی حفاظت کے لیے آزادی سے پہلے بھی ایک قانون اور ایکٹ بنایا گیا تھا، جسے وقف ایکٹ 1923 کہتے ہیں، پھر آزادی کے بعد ایک ایکٹ تشکیل دیا گیا، جسے 1954 وقف ایکٹ کے نام سے یاد کیا جاتا ہے، اس میں وقف کے تمام تقاضوں کو پورا نہیں کیا گیا تھا، پھر ''وقف ایکٹ 1959'' کے نام سے اس میں کچھ ترمیم ہوئی، تاہم خامیاں ابھی باقی تھیں، پھر 1964، 1969 اور پھر 1995 میں بھی ترمیمات ہوتی رہیں، آخری ترمیم 2010 میں ہوئی، جس کا نام وقف ایکٹ 2010 رکھا گیا؛ لیکن یہ تمام ترمیمات اس کہاوت کی طرح تھیں: ''مرض بڑھتا گیا، جوں جوں دوا کی''۔ یعنی ان میں سے کوئی بھی ایسا ایکٹ نہیں تھا، جو مکمل اوقافی جائداد کے تحفظ کا ضامن ہو اور اس کے صحیح استعمال کی گارنٹی دیتا ہو۔

نیا وقف ایکٹ ترمیمی بل 2024ء

8/ اگست بروز جمعرات کو پارلیامنٹ میں حکمراں پارٹی: بی. جے. پی نے نیا ''وقف ایکٹ ترمیمی بل 2024'' پیش کیا، این. ڈی. اے کی حلیف جماعتوں نے اس کی تائید کی، اپوزیشن نے سخت مخالفت کی؛ بالآخر یہ بل سلیکٹ کمیٹی کے حوالے کر دیا گیا۔ اس بل میں تقریباً 40 ترمیمات کی گئی ہیں، بعض ترمیمات مناسب بھی ہو سکتی ہیں؛ لیکن دوسری بعض ترمیمات وقف کے اسلامی قانون کے سراسر خلاف ہیں، خود ہندستانی آئین کے خلاف ہیں، بلکہ اس ایکٹ کو آپ اوقاف کی مکمل لوٹ کھسوٹ کا ''منظّم سرکاری خاکہ'' کہہ سکتے ہیں۔

چنانچہ ان ترامیم (Amendments) کے ذریعہ حکومت وقف کی حیثیت کو بالکل ختم کرنا چاہتی ہے، بچی کچی اوقافی جائدادوں پر قبضہ کرنا چاہتی ہے، اور ان تمام اوقافی جائدادوں سے مسلمانوں کو محروم کرنا چاہتی ہے: یہ ایسا ایکٹ ہے، جس کے نفاذ کے بعد سے ہی ہندوستان میں اوقافی جائداد کی آخری سانسیں شروع ہو جائیں گی، اس کے بعد مسلمانوں سے ان کی درگاہیں، ان کے آستانے، عاشور خانے، عیدگاہیں، دینی مدارس؛ حتی کہ مساجد بھی چھین لی جائیں گی۔ اور مسلمانوں کے پاس قانونی چارہ جوئی کا بھی موقع نہیں رہے گا؛ کیوں کہ یہ منظّم لوٹ کھسوٹ اور ڈکیتی، قانون کے سہارے ہی ہوگی، اس ایکٹ کے بعد قانون کا استعمال اوقاف کی صیانت کے لیے نہیں؛ بلکہ اس کی بربادی اور ہلاکت کے لیے کیا جائے گی۔

بل کی درج ذیل ترمیمات کے ذریعہ اس بھیانک سازش کو کھلی آنکھوں دیکھا اور محسوس کیا جا سکتا ہے:

واقف کا کم از کم پانچ سالہ قدیم مسلمان ہونا

اس نئے بل میں ایک ترمیم یہ پیش کی گئی ہے کہ وقف کرنے کے لیے ضروری ہے کہ واقف کم از کم پانچ سال سے

مسلمان ہو اور اسلام پر عمل کر رہا ہو، یعنی اگر کوئی نو مسلم (New Muslim) ہے اور اسے اسلام قبول کیے ہوئے، ابھی پانچ سال نہیں گزرے ہیں، تو وہ وقف کرنے کی اہلیت (Ability) نہیں رکھتا، اس کا وقف معتبر نہیں ہوگا، اس نے اگر کوئی زمین وقف کی ہے، تو وقف کے دائرے میں نہیں آئے گی۔

نئے ترمیمی بل کی یہ شرط، شریعت اسلامیہ کے وقف قانون کے بالکل خلاف ہے، یہ براہ راست شریعت پر حملہ ہے، اسلام میں وقف کرنے کے لیے ایسی کوئی شرط نہیں لگائی گئی ہے۔ نیز اس ترمیم کے ذریعہ عین ممکن ہے کہ بہت سی وقف جائدادوں پر حکومت یہ کہہ کر قبضہ کرلے کہ اس کو وقف کرنے والا یا تو مسلمان نہیں تھا، یا اس نے اسلام قبول کرنے کے بعد پانچ سال گزرنے سے پہلے ہی، یہ وقف کردیا تھا۔

وقف بورڈ میں غیر مسلم آفیسر اور ممبر کا تقرر

ایک ترمیم یہ پیش کی گئی ہے کہ مرکزی اور ریاستی دونوں وقف بورڈ میں ایک غیر مسلم چیف ایگزیکیٹو آفیسر (Chief Executive Officer) اور کم از کم دو غیر مسلم ممبران کی تقرری ہوسکتی ہے۔

یعنی وقف، جس کا اسلام میں مکمل قانون اور اس کی طویل تفصیلات موجود ہیں، وقف اور اس کے معاملات، جو اسلامی وقف قانون کے مطابق ہوں گے، اب ان کا آفیسر اور بڑا ذمہ دار ایک غیر مسلم ہوگا، اس کے دو ممبران غیر مسلم ہوں گے، یہ کیسی خلاف عقل (Irrational) بات ہے۔

دوسری طرف دیگر مذاہب کے کسی بھی بورڈ میں، جیسے ہندو انڈومنٹ بورڈس، چار دھام کمیٹی اور سکھ گردوارہ پربھندک کمیٹیوں میں دوسرے مذہب کا ماننے والا نہیں ہوتا، جو بالکل صحیح ہے، ہونا بھی نہیں چاہیے؛ لیکن مسلمانوں کے وقف بورڈ میں غیر مسلم آفیسر کے تقرر کا، کیا تک بنتا ہے؟

اس بل کا ایک عجیب تضاد یہ بھی ہے کہ اس بل کے مطابق وقف کرنے کے لیے کم از کم پانچ سال کا قدیم مسلمان ہونا ضروری ہے؛ لیکن وقف کا آفیسر اور ممبر بننے کے لیے مسلمان ہونا بھی شرط نہیں ہے، یعنی جس میں وقف کرنے کی اہلیت نہیں ہے، وہ بھی وقف کا آفیسر بن سکتا ہے، اس تضاد پر تو یہی کہا جائے گا: جو چاہے تیرا حسن کرشمہ ساز کرے!

جب وقف بورڈ کا چیف ایگزیکیٹو آفیسر ایک غیر مسلم ہوگا، جسے نہ قرآن کا علم، نہ حدیث کا علم، نہ فقہ کا علم، نہ وقف کے اسلامی قوانین کا علم، نہ وقف کی نزاکتوں کی معرفت، تو اندازہ لگائیں کہ ایسے آفیسر کی زیر نگرانی وقف کی تباہ کاری کس سطح (Level) پر ہوگی!

منصوبہ سازوں کی چالاکی کا اندازہ لگائیں کہ جب وقف بورڈ کا بڑا افسر ایک غیر مسلم ہوگا، تو وقف میں جو مختلف نوع کی نوکریاں نکلیں گی، وہ مسلمانوں کو دے گا یا غیر مسلم کو، کیا اس سلسلے میں افسر تعصب سے کام نہیں لے گا؟ اور اس کے تعصب کے نتیجہ میں مسلمانوں کے پاس اپنی ہی جائداد میں جو کچھ نوکریاں مل سکتی تھیں، ان سے وہ بھی ہاتھ دھو بیٹھیں گے!

وقف کی متنازع زمینوں کا فیصلہ ضلع کلکٹر کے سپرد

ایک ترمیم یہ ہے کہ پورے ہندوستان میں وقف کی کسی بھی زمین، چاہے وہ مسجد کی ہو، مدرسہ کی ہو، عیدگاہ کی ہو، یا درگاہوں کی ہو، اگر اختلاف ہوجائے، یعنی کوئی فریق اس کے خلاف عرضی داخل کردے کہ یہ زمین وقف

کی نہیں ہے، تو اب یہ فیصلہ کہ وقف کی زمین ہے یا نہیں ہے، کون کرے گا؟

پہلے اس فیصلہ کا اختیار وقف ٹریبونل کو حاصل تھا؛ جہاں متنازع زمینوں کا فیصلہ ہوتا تھا، جہاں عدالتی طرز پر کارروائی ہوتی تھی، لیکن اس ترمیمی بل میں اس کے اختیارات سلب کر لیے گئے اور اب ضلع کلکٹر اور ضلع مجسٹریٹ (ڈی. ایم) کو یہ اختیار دیا گیا ہے کہ وہ فیصلہ کرے کہ کونسی جائداد وقف کی ہے اور کونسی سرکاری؟ یعنی فیصلہ کا تمام تر اختیار ایک فرد واحد کی رائے پر چھوڑ دیا گیا ہے، اس کا فیصلہ آخری، حتمی اور قانونی ہوگا۔

یہ ترمیم وقف کے لیے انتہائی مہلک اور سب سے خطرناک ہے، اس کے ذریعہ ہی تمام اوقافی جائدادوں پر بآسانی حکومت کا قبضہ ہوسکتا ہے؛ کیوں کہ اگر خدانخواستہ یہ بل پاس ہوتا ہے، تو پھر اوقافی جائدادوں پر اعتراض اور حق کے دعوے کا ایک طویل سلسلہ شروع ہو جائے گا، اس کام کے لیے بھی شرپسند عناصر کی ایک مکمل ٹیم تیار بیٹھی ہے۔ پھر کسی بھی وقف جائداد کے متنازع ہونے کے بعد اس کا فیصلہ ضلع کلکٹر کے پاس جائے گا اور ضلع کلکٹر ہو یا مجسٹریٹ، ان کا تعین بھی حکومت ہی کرتی ہے اور وہ حکومت کی ہدایات کے مطابق ہی کام کرتے ہیں؛ لہٰذا آپ اندازہ لگا سکتے ہیں کہ اختلاف کی صورت میں فیصلہ کس کے حق میں جائے گا؟

بقول شاعر:

اسی کا شہر، وہی مدعی، وہی منصف
ہمیں یقیں تھا، ہمارا قصور نکلے گا

پھر یکے بعد دیگرے تمام اوقافی جائدادوں کو متنازع بنا دیا جائے گا اور ایک ایک کر کے، سب مسلمانوں کے ہاتھ سے نکل جائیں گی اور مسلمان کچھ نہیں کر پائیں گے۔

وقف کی آمدنی کے مصارف

ایک ترمیم یہ کی گئی ہے کہ اوقاف کی آمدنی کو حکومت اپنی زیر نگرانی مسلم بیواؤں اور یتیموں پر خرچ کرے گی۔ یہ ایک نفسیاتی اور ہمدردی کی آڑ میں حملہ ہے۔ جو لوگ مسلمانوں کو ہر اعتبار سے کمزور کرنا چاہتے ہیں، اس ملک میں مسلمانوں کو تمام طرح کے حقوق سے محروم کرنا چاہتے ہیں، تعلیمی، سماجی اور معاشی تمام سطح پر مسلمانوں کی کمر توڑنا چاہتے ہیں، وہ چالاک، عیار، مکار اور شاطر گیدڑ، ہمدردی کا لبادہ اوڑھ کر، کہتے ہیں کہ ہم مسلم بیواؤں اور یتیموں کی مدد کرنا چاہتے ہیں۔ اس سے پہلے بھی متعدد سرکاری مراعات اور سبسڈیاں جو مسلمانوں کو مل رہی تھیں، اسی طرح کی چکنی چپڑی باتوں کا سہارا لے کر ختم کی گئیں۔ اوقاف کے حوالے سے بھی اس کی آمدنی مسلمانوں پر خرچ کرنے کی نیت نہیں ہے؛ بلکہ اس بہانے تمام آمدنی پر قبضہ کرنا اور انہیں ہضم کرنا مقصد ہے۔

دوسری بات یہ ہے کہ اوقاف کی جائداد کی آمدنی کہاں خرچ ہوگی؟ اس کی مکمل تفصیلات ''قانون اوقاف اسلامی'' میں درج ہیں، جس کا ضابطہ یہ ہے کہ واقف نے جس مقصد سے کسی جائداد کو وقف کیا ہے، اسی مقصد میں اس وقف کی آمدنی کو خرچ کرنا ضروری ہے، دوسرے مقاصد اور مصارف میں وہ آمدنی خرچ نہیں کی جائے گی؛ لہٰذا حکومت کا یہ شوشہ ''قانون اوقاف اسلامی'' کے خلاف ہے، جسے کسی قیمت پر قبول نہیں کیا جا سکتا۔ اسی طرح موجودہ ترمیم وقف ایکٹ 1995 کے بھی خلاف ہے، جس میں درج ہے کہ وقف کی آمدنی اسلامی قانون کے مطابق خرچ کی جائے گی۔

شریعت اور آئین سے متصادم دیگر ترمیمات

اسی طرح یہ بل آئین کے آرٹیکل 14، 15، 25، 30 کے اصولوں کے خلاف ہے، جن میں مذہبی آزادی اور اپنے مذہبی ادارے سنبھالنے کا اختیار ہے۔ لہٰذا اس بل سے مسلمانوں کی مذہبی آزادی سلب ہوتی ہے، جو دستور ہند کے خلاف ہے۔

اس بل میں یہ بھی کہا گیا ہے کہ زبانی وقف کا اعتبار نہیں ہوگا، اس کے لیے دستاویزات ہونا ضروری ہے، جبکہ شریعت میں ایسی کوئی قید نہیں ہے، نیز 1995 وقف ایکٹ میں زبانی وقف کو معتبر مانا گیا۔ اس بل میں وقف علی الاولاد کو قانونی حیثیت دینے سے انکار کیا گیا ہے، یعنی اگر کوئی شخص اپنی تمام جائداد اپنی اولاد پر وقف کرنا چاہے تو اس کا اختیار اسے نہیں ہوگا۔ جبکہ ہندو اینڈومنٹ بورڈس میں ایسی کوئی پابندی نہیں ہے۔ نیز یہ اسلام کے قانون وقف کے بھی خلاف ہے۔

خلاصہ یہ کہ حکومت کا مقصد اس بل کے ذریعہ وقف کی حیثیت کو ختم کرنا، اوقاف کی آمدنی اور پھر جائدادوں پر قبضہ کرنا ہے، اور اوقافی املاک سے مسلمانوں کو محروم کرکے، معاشی طور پر انہیں مزید کمزور کرنا ہے۔ اس بل کے بعد اوقاف کے تنازع اور کلکٹر کی من مانی کا ایک طویل سلسلہ شروع ہوگا اور پھر ایک ایک کرکے تمام اوقافی جائدادوں کی وقف حیثیت کالعدم کردی جائے گی؛ حتی کہ دینی مدارس، مساجد اور عیدگاہیں بھی مسلمانوں سے چھین لی جائیں گی؛ لہٰذا کسی بھی حال میں اس ترمیمی بل کو قبول نہیں کیا جاسکتا۔

☆☆☆

پروفیسر مظفر شہ میری
سابق وائس چانسلر ڈاکٹر عبدالحق یونیورسٹی کرنول، آندھرا پردیش

غزل

زمیں پہ جب بھی اندھیروں کی باڑھ آتی ہے
ہوا ہمارے چراغوں کی لو بڑھاتی ہے

ہوائے ظلم جہاں بھر کی گرد لاتی ہے
ہمارے آئینہ خانوں پہ پھینک جاتی ہے

ستارہ بن کے اُفق پر وہ کیوں نہ ہو روشن
لہو کی بوند جو پلکوں پہ جگمگاتی ہے

وہ آرزو جو بھٹکتی ہے در بہ در دن میں
جو رات آئے تو خوابوں میں سر چھپاتی ہے

مجھے روایت یوسف ہے کچھ عزیز اتنی
نظر بھٹکتی ہے میری نہ لڑکھڑاتی ہے

ابھی جو ٹوٹ گرا ہے زمین کی بانہوں میں
سنا تھا چاند ستاروں کا وہ براتی ہے

تمام عمر مظفر تمھیں جلائے گی
وہ دھوپ دل میں اُتر کر جو گھر بناتی ہے

ڈاکٹر محمداعظم ندوی-استاذ المعہد العالی الاسلامی، حیدرآباد

ایک خوف ناک 'حسینہ' کا عبرت ناک انجام

''یہ طلباء نہیں دہشت گرد ہیں، ہم انہیں کچل کر رکھ دیں گے''، 76 سالہ شیخ حسینہ واجد کا یہ رعونت بھرا جملہ خود ان کو خس وخاشاک کی طرح بہالے گیا، اور بالآخران کو اپنی کرسی چھوڑنی پڑی، وہ غم وغصہ سے بھرے ہوئے عوام کے فلک شگاف نعروں کے درمیان اپنے سارے خوابوں کو دفنا کر فرار ہونے میں کامیاب ہوئیں، بنگلہ دیشی عوام نے ان کی تقریباً دو دہائیوں کو محیط حکمرانی کو لوہے اور آگ کا راج قرار دیا، بنگلہ دیش کی اس ڈکٹیٹر خاتون کا دور اقتدار اپنے آخری لمحات میں ایک عجیب وغریب موڑ پر پہنچ گیا، جہاں ہر طرف شعلے بھڑک رہے تھے، اور قریب تھا کہ یہ ضدی عورت اس کا ایندھن بن جائے، طلباء اور نوجوانوں کے مظاہرے ایسے مرحلہ میں پہنچ چکے تھے جہاں سے اب وہ خود بھی چاہتے تو واپس نہیں آسکتے تھے، حسینہ کا مقابلہ مظاہرین اپنے برہنہ سینوں سے کررہے تھے، ان کے عزم بلند کے سامنے تمام تر حفاظتی دستے ناکام تھے، آگ بگولہ عوام کے بھڑکتے ہوئے غصہ کے سامنے پولس اور فوج کا قہر دم توڑ گیا، اور اپنی عمر عزیز بلکہ حیات رائیگاں کی 76 بہاروں سے لطف اندوز ہوچکی شیخ حسینہ کے اقتدار کی فولادی دیواریں پاش پاش ہوگئیں، سچ ہے:

اولوالعزمان دانش مند جب کرنے پہ آتے ہیں
سمندر پاٹتے ہیں، کوہ سے دریا بہاتے ہیں

حسینہ کا اقتدار 1996 سے اب تک پانچ مرتبہ کی حکمرانی پر مشتمل تھا، آج حسینہ کے ظالمانہ اور سفاکانہ دور حکومت کا خاتمہ ہوگیا، اس میں کوئی شک نہیں کہ ان کا انداز آمرانہ authoritarian ہوچکا تھا، پھر یوں ہوا کہ اسلام پسندوں کو ناحق تختہ دار پر لٹکانے والی ڈکٹیٹر کا بخت بگڑا اور تخت کھسک گیا، جب کہ ابھی سات ماہ بھی نہیں ہوئے جب انہوں نے اپنی چوتھی مسلسل اور مجموعی طور پر پانچویں میعاد کا جشن منایا تھا، یہ جشن جنوری میں ہونے والے انتخابات کے بعد منایا گیا تھا، جس میں حسینہ نے بغیر کسی حقیقی مخالف کے خود سے ہی مقابلہ کیا اور جیت حاصل کی تھی، تاہم ان کی حکومت کا آخری مہینہ مختلف تھا؛ کیوں کہ طلباء کے زیر قیادت عوامی ناراضگی اور سول نافرمانی ان کی حکومت کے تابوت میں آخری کیل ثابت ہوئی، ان کی حکومت غصہ سے بھرے احتجاجیوں کے قدموں تلے جھول رہی تھی، ایک ماہ پانچ دن سے جاری خاک وخون میں لت پت ان مظاہروں اور احتجاجات کے نتیجہ میں بنگالی فوج نے اعلان کیا کہ شیخ حسینہ نے وزارت عظمی کے عہدہ سے استعفیٰ دے دیا ہے، یہ دراصل ایک فوجی بغاوت کا مہذب اظہار تھا، شیخ حسینہ نے اس کا تلخ ذائقہ پہلی بار تب چکھا تھا جب وہ بیس سال کی جوان رعنا تھیں، اوران کے والد شیخ مجیب الرحمٰن کو قتل کردیا گیا تھا، یہ واقعہ پاکستان سے علاحدگی اور بنگلہ دیش کے اولین صدر کی حیثیت سے ان کے تقرر کے بعد پیش آیا تھا، اس وقت شیخ مجیب الرحمٰن نے لاکھوں افراد کو پاکستان کے ساتھ تعاون اور جنگی جرائم کے الزامات میں عدالتوں میں پیش کیا تھا۔

نوجوان حسینہ اس ہلاکت خیزی سے بچ گئی تھیں جس نے ان کے خاندان کے بے شمار افراد کو ان سے چھین لیا تھا؛ کیوں کہ وہ اوران کی بہن ریحانہ ایک یورپی ملک کے دورہ پر تھیں، بعد میں انہوں نے ایک مضبوط سیاسی اور عوامی تحریک

کا راستہ اختیار کیا، جس نے وقت کے ساتھ انہیں ان کے والد مجیب الرحمٰن کی قائم کردہ عوامی لیگ پارٹی کی صدارت تک پہنچا دیا، وقت کے ساتھ، وہ خالدہ ضیاء کے بعد بنگلہ دیش کی دوسری خاتون حکمراں بن گئیں، حسینہ اور خالدہ دونوں پر بدعنوانی اور تشدد کے الزامات تھے، اور دونوں کا تعلق حکمراں خاندان سے تھا، حسینہ اپنے والد بنگ بندھو (بابائے بنگلہ دیش) کے نقش قدم پر چل رہی تھیں، جب کہ خالدہ 1981 میں ایک فوجی بغاوت میں قتل ہونے والی اپنے شوہر جنرل ضیاء الرحمٰن کے نقش قدم پر تھیں، خالدہ ضیاء نے بنگلہ دیش نیشنلسٹ پارٹی کی صدارت سنبھالی اور ایک سیاسی سفر کا آغاز کیا، جس میں مقدمے اور نظر بندیاں شامل تھیں، اس سفر کا اختتام 1991 میں وزیر اعظم بننے اور 1996 میں مستعفی ہونے پر ہوا، ان کا سیاسی سفر بدعنوانی کے الزام میں قید و بند کے لامتناہی سلسلوں اور مختلف پیچیدہ بیماریوں پر ختم ہوا، اس کے باوجود حسینہ نے انہیں 2023 سے اپنے ناکارہ جگر کی پیوندکاری کے لیے ملک چھوڑنے کی اجازت نہیں دی۔

بھارت نے محترمہ حسینہ کو سلامتی کی ضمانت دی، اور انہوں نے فوجی طیارہ میں سوار ہو کر ایک بھارتی ہوائی اڈہ پر لینڈ کیا، جس طرح جغرافیائی طور پر بھارت تقریباً ہر سمت سے اپنے پڑوسی بنگلہ دیش کو گھیرے ہوئے ہے، اسی طرح حسینہ کے خاندان کے ساتھ بھارت کے سیاسی تعلقات بھی تاریخی اور بہت خاص ہیں، یہ تعلقات بنگلہ دیش کے قیام کے وقت سے ہیں، جب بھارت نے اسے مضبوط حمایت فراہم کی اور مجیب الرحمٰن کو اقتدار سنبھالنے اور پاکستان کے خلاف پہلے سیکولر نظام کی بنیاد رکھنے میں مدد دی، اور آج تک بھارت حسینہ کی تمام تر ظالمانہ کاروائیوں میں ان کی پیٹھ تھپتھپاتا رہا تھا، حسینہ اپنے نئے مستقر بھارت میں ہیں، لیکن انہوں نے اپنے پیچھے ایک ایسا ملک چھوڑا ہے جو ان کی پالیسیوں کی وجہ سے شعلہ زن تھا، تازہ مظاہروں میں 500 سے زائد مظاہرین اور متعدد پولیس اہل کاروں کی موت کے بعد کامیابی ملی، یکم جولائی کو شروع ہونے والے یہ احتجاجات، 3 اگست کو ایک نئے مرحلہ میں داخل ہو گئے جب طلباء نے سول نافرمانی کا اعلان کیا، آتش زنی اور توڑ پھوڑ arson and vandalism کا بازار گرم ہو گیا، شیخ مجیب کے مجسمہ پر ہتھوڑے برسائے گئے اور اس کو منہدم کر دیا گیا، یہ ملک گیر احتجاج ایک عوامی بغاوت میں تبدیل ہو گیا اور حسینہ کو طلباء کی سب سے بڑی مخالف adversary قرار دیا گیا، اور بھارتی شکل و شباہت والی سیاہ و سفید بالوں کی مالک ایک بوڑھی حسینہ کو اقتدار سے بے دخل کرنے کا مطالبہ تیز تر ہو گیا، تا آں کہ حسینہ کو ان کو کرسی سے اتار پھینکا گیا، عوام وزیر اعظم کی سرکاری رہائش گاہ میں داخل ہو گئے اور مال غنیمت کی طرح وہاں کا ایک ایک سامان اٹھائے کچھ رکشوں سے کچھ پیدل خراماں خراماں اپنے گھروں کو روانہ ہوئے، یہ ایک جشن کا سماں تھا، دنیا بھر میں لوگوں نے بنگلہ دیش کے قومی ترانہ ''امر شونار بنگلہ، آمی تومائے بھالو باشی'' (میرا سونے جیسا بنگال، میں تم سے پیار کرتا ہوں) کو از سر نو سنا، اور ''دیش تمہار باپر ناکے'' (ملک تمہارے باپ کا نہیں) جیسی انقلابی نظموں سے لطف اندوز ہوئے، کہیں کہیں فیض احمد فیض کی نظم "ہم دیکھیں گے" کی گونج سی اے اے این آر سی مخالف احتجاجات کی یاد دلا کر دل میں ایک ہوک جگا گئی۔

یہ منظر نامہ ملک کے معاشی اور سیاسی اتار چڑھاؤ کی

عکاسی کرتا ہے، خاص طور پر جب بے روزگاری 18 ملین نوجوانوں سے تجاوز کر گئی، حسینہ کی مقبولیت، جو گزشتہ برسوں میں ان کی اقتصادی پالیسیوں کی وجہ سے آسمان چھو رہی تھی، دھڑام سے گر گئی، سے متجاوز آبادی والے اس ملک کی ایک طاقتور حکومت کو جہاں کی جی ڈی پی کی شرح فیصد تک بڑھ گئی تھی، شیخ مجیب الرحمٰن کا قائم کردہ 30 فیصد کوٹہ کا جائرانہ نظام لے ڈوبا، اس نظام کا مقصد پاکستان سے علاحدگی کی جنگ میں لڑنے والے مجاہدین کے خاندانوں کو سرکاری ملازمتوں میں نمایاں حصہ دینا تھا، مظاہرین کا کہنا ہے کہ 56 فیصد سرکاری ملازمتیں اس نظام کے تحت مختلف زمروں میں تقسیم ہوتی ہیں، جن میں 30 فیصد جنگِ آزادی کے مجاہدین کے خاندانوں، 10 فیصد خواتین، 10 فیصد پسماندہ علاقوں کے افراد 5 فیصد مقامی آبادی اور 1 فیصد معذور افراد کے لیے مختص ہیں، ان کا ماننا ہے کہ یہ نظام ان گروہوں کے بچوں کو فائدہ پہنچاتا ہے جو وزیر اعظم شیخ حسینہ کی حمایت کرتے ہیں، اور اس سے بڑے پیمانہ پر اہلیت رکھنے والے طلباء کی حق تلفی ہوتی ہے۔

شیخ حسینہ واجد حکومت کے آخری سالوں میں حکومت مخالف آوازوں کو دبانے کے لیے زور بازو کی حکمت عملی strong- arm tactics استعمال کی گئی، فوج اور پولیس کو کھلی چھوٹ دی گئی تھی، اور عدلیہ کو موت، عمر قید، اور طویل المیعاد قید و بند کی سزائیں سنانے کی بے لگام اتھارٹی حاصل ہوگئی تھی، چنانچہ ابھی بڑی تعداد میں قیدی اپنی زندگیاں جیل کی تاریکیوں میں گزار رہے ہیں، حالیہ احتجاجات کی وجہ سے گرفتار شدگان کی تعداد تقریباً 10 ہزار تک پہنچ چکی ہے، اور مظاہرین کی ہلاکتوں میں بے انتہا اضافہ ہوا ہے، یونیسف کے مطابق، ان میں سے تقریباً 36 بچے بھی شامل ہیں جو یا تو مظاہروں میں یا اپنے گھروں میں گولیوں کا نشانہ بنے، ایمنسٹی انٹرنیشنل کے اعداد وشمار کے مطابق، بنگلہ دیش میں 2013 میں ایک ہزار سے زائد افراد کو سزائے موت دی گئی، جب کہ 2023 تک، سزائے موت کا انتظار کرنے والوں کی تعداد 2400 سے تجاوز کر چکی تھی، جنہیں پھانسی یا گولیوں کا سامنا تھا، صحافیوں اور بلاگرز کو بھی سخت سزاؤں کا سامنا کرنا پڑا، جن کی آرا یا تحریریں حکومت کی تنقید پر مبنی تھیں، خاص طور پر، بنگلہ دیش میں جماعت اسلامی کے قائدین کو شیخ حسینہ کے دورِ حکومت میں بڑے پیمانہ پر سزائے موت کا سامنا کرنا پڑا، جن میں کچھ نمایاں نام درج ذیل ہیں:

عبدالقادر ملا: ایک اہم سیاسی رہنما اور جماعت اسلامی کے پہلے قائد تھے جن کو پاکستان سے علاحدگی کی جنگ کے دوران قتل کے جرائم میں ملوث ہونے کے الزامات کے تحت سزائے موت دی گئی، عبدالقادر ملا کو 12 دسمبر 2013 کو دارالحکومت ڈھاکہ کے مرکزی جیل میں پھانسی دی گئی، فروری 2013 میں ان پر سزائے موت کا حکم صادر کیا گیا تھا۔

علی احسان محمد مجاہد: سابق وزیر اور جماعت اسلامی کے جنرل سکریٹری، جن کو 21 نومبر 2015 کو ہندو دانشوروں کو سزا دینے اور ان کو قتل کرنے کے الزامات میں پھانسی دی گئی، اسی دن بنگلہ دیش نیشنل پارٹی سے رکن پارلیمان صلاح الدین قادر چودھری کو بھی پھانسی دی گئی۔

محمد قمر الزماں: جماعت اسلامی کے ایک اور رہنما، جن کو 11 اپریل 2015 کو دارالحکومت ڈھاکہ کے مرکزی جیل میں پھانسی دی گئی، ان پر پاکستان سے علاحدگی کی جنگ میں شرکت اور درجنوں افراد کی ہلاکت کا الزام تھا۔

مطیع الرحمٰن نظامی: اس بزرگ رہنما کو 10 مئی 2016 کو پھانسی دی گئی، ان پر 1971 کی جنگِ آزادی کے دوران نسل کشی اور پاکستانی فوج کے ساتھ تعاون کے الزامات تھے، مقامی اور بین الاقوامی اپیلوں کے باوجود حکومت نے ان کی پھانسی کے فیصلہ پر عمل درآمد کیا۔

میر قاسم علی: انہیں بھی 1971 کی جنگِ آزادی کے دوران جنگی جرائم، بشمول آزادی کے متوالوں کے قتل اوراور ان کو سزادینے کے الزامات کے تحت مجرم قرار دیا گیا، میر قاسم علی کو 3 ستمبر 2016 کو دارالحکومت ڈھاکہ کے قریب ایک اعلیٰ سطحی سکیورٹی والی جیل میں پھانسی دی گئی۔

غلام اعظم: جماعت اسلامی بنگلہ دیش کے امیر، جنہیں 1971 کی جنگِ آزادی کے دوران جنگی جرائم کے الزامات کے تحت سزادی گئی، غلام اعظم 23 اکتوبر 2014 کو، 89 سال کی عمر میں اپنے قید خانہ میں انتقال کر گئے، انہیں 90 سال قید کی سزا سنائی گئی تھی، جس میں سے انہوں نے دو سال جیل میں گزارے۔

ابوالکلام محمد یوسف: بنگلہ دیش کے سب سے بڑے علماء میں سے ایک، جنہیں "ممتاز المحدثین" کا لقب حاصل تھا، یہ اس ملک میں حدیث کی خدمات کے لیے سب سے بڑا لقب ہے، وہ جماعت اسلامی کے سابق جنرل سکریٹری اور مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی کے رفیق تھے، 9 فروری 2014 کو، وہ جیل میں متعدد بیماریوں کی شدت کے باعث وفات پا گئے۔

ان بڑے ناموں کے علاوہ، حسینہ کے دورِ حکومت میں کئی دیگر اسلام پسند دانشوروں، نوجوانوں، اور کارکنوں کو بھی پھانسیاں دی گئیں، جن لوگوں کو پھانسی دی گئی، ان کی جائیدادیں بھی ضبط کر لی گئیں، حسینہ، خالدہ ضیاء کے بعد، بنگالی عوام کے ماضی کا حصہ بن گئیں، ہر آمر کے لیے اس میں ایک عبرت ہے اور یہ پیغام کہ:

سب تاج اچھالے جائیں گے
سب تخت گرائے جائیں گے
بس نام رہے گا اللہ کا

(بقیہ صفحہ 27 کا)

اس پس منظر میں اندازہ ہوتا ہے کہ وہ کسی اعتبار سے بھی حسن پرستی اور عشق پرستی کو نظرانداز کرنے کا طریقہ اختیار نہیں کرتے' کیونکہ زندگی کے اہم عوامل میں ان دونوں معاملات کا اثر و رسوخ شامل ہے۔ عام شاعروں کی طرح حامد مغل نے عشق حقیقی اور عشق مجازی کی نمائندگی نہیں کی' بلکہ ثابت کیا کہ زمینی عشق ہی انسان کے کردار کو بلند تر بنانے کا ذریعہ قرار پاتا ہے' اس لئے وہ بہت سے اخلاقی اور تہذیبی عناصر کو غزل کے اشعار میں ڈھال کر ان کی توسیع اور عملی صورت گری کے لئے شاعری کے وصف کو استعمال کرتے ہیں۔ غرض ان کی شاعری کو صرف شاعرانہ مزاج کی حامل نہیں' بلکہ باضابطہ فکر و سخن کی بالیدگی سے تعبیر کیا جائے تو بہتر ہے۔ یہ بھی حقیقت ہے کہ اس قسم کی شاعری کو پیش کر کے حامد مغل نے اپنی علٰحدہ شناخت بنانے کی کوشش کی ہے۔ اس سے زیادہ اہم حقیقت یہ بھی ہے کہ شاعری کے مزاج داں اور تحقیق و تنقید کے ذریعہ اپنا وقار بنانے والے ابھی تک حامد مغل کی شعری کیفیاتی فضاء کو نمائندگی دینے میں کامیاب نہیں ہوئے' لیکن یہ بھی کیا کم ہے کہ ان کے شعری تاثرات کو منظر عام پر لانے کے لئے ڈاکٹر محمد شاہد صدیقی نے ''گھٹا کا رُخ'' کے زیرِ عنوان غزلیات کا مجموعہ پیش کیا ہے۔ اس کامیاب نمائندگی کے لئے ان کی خدمت میں مبارکبادی کا تحفہ پیش کرنا درحقیقت حیدرآباد کی شاعری میں عمدہ رجحانات کو شامل کرنے کے مترادف قرار دیا جائے گا۔

امانت علی قاسمی۔استاذ ومفتی دار العلوم وقف دیوبند

اسلام میں وقف کی اہمیت اور وقف ترمیمی بل ۲۰۲۴ء

وقف ایک عبادت ہے جس کا مقصد اللہ تعالی کی رضا حاصل کرنا اور خلق خدا سے محبت کا اظہار کرنا ہے، جب کوئی شخص زمین وقف کرتا ہے تو واقف کی ملکیت ختم ہوجاتی ہے اوراس زمین پر اللہ تعالی کی ملکیت قائم ہوجاتی ہے؛ اسی وجہ سے حضرات فقہاء کرام لکھتے ہیں کہ وقف کے مکمل ہوجانے کے بعد وقف کرنے والے کی ملکیت اس زمین سے ختم ہوجاتی ہے، اب اس زمین پر واقف کا بھی اختیار نہیں ہوتا ہے اس زمین پر وراثت قائم نہیں ہوتی، اس زمین کو واقف نہ عاریت پر دے سکتا ہے نہ رہن پر دے سکتا ہے، واقف کے انتقال کرجانے کے بعد واقف کے ورثہ کا اس زمین پر کوئی اختیار نہیں ہوتا ہے۔اسی طرح وقف کرنے کی کچھ شرطیں بھی ہیں اس میں ایک شرط یہ ہے کہ واقف اس چیز کا مالک ہو، واقف نے اپنے اختیار اور رضامندی سے وقف کیا ہو، وہ شئی مملوکہ ہو، واقف نے اس کو اپنی ملکیت سے علاحدہ کردیا ہو۔اگر وقف کی گئی چیز زمین ہے تو اس کے ساتھ کسی کا کوئی حق متعلق نہ ہو۔

وقف کے فوائد

وقف کے مختلف فائدے ہیں: وقف کا ایک فائدہ تو اللہ تعالٰی کی رضا وخوشنودی ہے، واقف کو اس وقف کی وجہ سے ہمیشہ ثواب ملتا ہے، مدارس، مساجد، قبرستان، خانقاہوں کا قیام اس کے ذریعہ عمل میں آتا ہے، اوران چیزوں سے جو بھی نیکی انجام دی جاتی ہے اس کا ثواب وقف کرنے والے کو بھی ملتا ہے، اسلام کا اجتماعی سماجی ومعاشی نظام اس کے ذریعہ قائم ہوتا ہے، غریبوں کی مدد ہوتی ہے، یتیموں کی کفالت ہوتی ہے، عوامی فلاح وبہبود کے کام انجام دئے جاتے ہیں۔ وقف صرف غریبوں کے لیے نہیں ہوتا؛ بلکہ اس سے عام لوگ بلکہ مالدار بھی فائدہ اٹھا سکتے ہیں مثلاً: کوئی وقف مسافر خانہ کے لیے ہے تو کوئی بھی مسافر اس میں قیام کرسکتا ہے، اسکول وکالج کے لیے وقف ہے تو کوئی بھی وہاں سے تعلیم حاصل کرسکتا ہے۔ وقف کا ایک اہم فائدہ یہ ہے کہ اگر وقف کا صحیح استعمال کیا جائے تو ملک کا اقتصادی ڈھانچہ مستحکم ہوسکتا ہے، مسلمانوں میں غربت کے خاتمے کے لیے مؤثر کردار ادا کیا جاسکتا ہے، مسلمانوں کو تعلیمی پسماندگی سے نکال کر تعلیم کے قومی دھارے میں لاکھڑا کیا جاسکتا ہے۔ وقف کی بنیادی طور پر دو قسمیں کی جاتی ہیں: وقف عام جسے عمومی فلاح و بہبود کے لیے وقف کیا جاتا ہے جیسے مساجد، سڑکوں، تعلیمی اداروں کے لیے وقف کرنا اور دوسری قسم، وقف خاص جو مخصوص خاندان، اولاد یا کسی مخصوص شخص پر وقف کیا جاتا ہے۔

وقف کے فضائل

وقف کو اسلام کی خصوصیات میں شمار کیا جاتا ہے، امام شافعیؒ کا قول ہے کہ اسلام سے پہلے وقف کا نظام نہیں تھا اسلام میں اس نظام کا آغاز ہوا قرآن کریم میں جب یہ آیت نازل ہوئی: **لن تنالوا البر حتی تنفقوا مما تحبون** (آل عمران:۹۲) کہ تم اس وقت تک خیر یعنی نیکی حاصل نہیں

کر سکتے جب تک کہ اپنی سب سے محبوب چیز راہ خدا میں خرچ نہ کردو تو حضرت ابوطلحہ حضور کے پاس آئے اور فرمایا کہ مجھے بیر حاباغ (جو کہ مدینہ میں مسجد نبوی کے قریب بہت قیمتی زمین تھی) مجھے بہت پسند ہے میں اسے راہ خدا میں صرف کرتا ہوں؛ چناں چہ حضور ﷺ کے مشورہ سے انہوں نے وہ زمین اپنے رشتہ داروں میں تقسیم کر دی، حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: یا رسول اللہ! مجھے خیبر میں جو حصہ مال غنیمت کے طور پر ملا ہے وہ سب سے زیادہ پسند ہے اس کے بارے میں آپ کا کیا مشورہ ہے حضور ﷺ نے فرمایا کہ اصل کو روک کر پھل کو راہ خدا میں صرف کر دو یعنی وقف کر دو تا کہ زمین باقی رہے اور اس کا پھل غریبوں کے لیے وقف ہو جائے۔ (تفسیر ابن کثیر ۲/۳۶) حضرت ابو ہریرہ کی روایت ہے حضور ﷺ نے فرمایا: مومن کو اس کے مرنے کے بعد اس کی جن نیکیوں کا ثواب ملتا ہے اس میں وہ "علم" ہے جو اس نے دوسروں کو سکھایا اور اس کو پھیلایا یا نیک اولاد ہے یا قرآن کا کسی کو وارث بنایا، یا مسجد بنایا یا مسافر خانہ بنایا یا نہر بنادی، یا وہ صدقہ جس کو اس نے اپنی زندگی اور صحت کے زمانہ میں نکالا ان چیزوں کا ثواب اس کو مرنے کے بعد بھی ملتا ہے۔ (سنن ابن ماجہ، ۲۴۲) حضرت سعد بن عبادہ نے حضور ﷺ سے فرمایا کہ یا رسول اللہ میری والدہ کا انتقال ہو گیا ہے ان کی طرف سے کون سا صدقہ کرنا زیادہ بہتر ہے تو حضور ﷺ نے فرمایا پانی صدقہ کرو! چناں انہوں نے اپنی والدہ کی طرف سے کنواں کھدوایا اور اسے وقف کر دیا۔ (سنن ابی داؤد) آپ ﷺ کے زمانہ میں بیر رومہ کا پانی میٹھا تھا لیکن بغیر قیمت کے کوئی اس سے پانی نہیں پی سکتا تھا، حضرت عثمان نے بیر رومہ کا کنواں خرید کر وقف کر دیا (سنن ترمذی) حضرت جابر کہتے ہیں میرے علم میں مہاجرین و انصار میں سے کوئی نہیں تھا جن کے کوئی چیز ہو اور انہوں نے اس کو وقف نہ کیا ہو (الموسوعۃ الفقہیہ الکویتیۃ، ۴۴/۱۱۱) یعنی حضرات صحابہ کے درمیان جائداد کا وقف کرنا ایک عام بات تھی، ہر کوئی اپنی استطاعت کے بقدر جائداد یا دیگر چیزوں کو وقف کرتا تھا اس لیے اوقاف کے ذریعہ مسلم سماج سے غربت کا خاتمہ ہو سکتا ہے، کمزور لوگوں کی دائمی طور پر مدد ہو سکتی ہے، اور وقف کرنے والے کو ہمیشہ ہمیش کے لیے ثواب ملتا رہتا ہے۔

ہندوستان میں اوقاف کی تاریخ

ہندوستان میں مسلمانوں نے قریب ایک ہزار سال تک حکومت کی اس دوران مسلم بادشاہوں نے بہت سی مسجدیں اور مزارات بنوائے، اور ان پر جائدادیں وقف کیں تا کہ اس کا ہمیشہ نظام جاری رہ سکے کہا جاتا ہے سب سے پہلے فیروز شاہ تغلق کے دور حکومت میں ہندوستان میں وقف کا نظام منظم ہوا اس کے بعد شیر شاہ سوری اور عالمگیر اورنگزیب نے مختلف جائدیں وقف کیں، اس کے علاوہ وقف کی اسی اہمیت اور ثواب جاریہ کے پیش نظر ہمیشہ مسلمان اپنی قیمتی جائدادوں کو وقف کرتے رہے، ہندوستان کے مختلف صوبوں میں نوابوں نے مدارس قائم کئے اور اس کے نظم کو چلانے کے لیے جائدادیں وقف کیں تا کہ اس کے ذریعہ مدارس کا نظام سہولت سے جاری رہ سکے انگریز عہد حکومت میں مدارس کو بند کر دیا گیا اور وقف کی جائداوں کا بے دریغ غلط استعمال ہوا، بہت سی جائداوں کو انگریزوں نے اپنے قبضہ میں لے لیا پھر جب مسلمانوں نے احتجاج کیا تو آئندہ کے لیے وقف ایکٹ ۱۹۲۳ء بنایا گیا پھر ملک کی آزادی کے ۱۹۵۴ء میں وقف ایکٹ بنایا گیا اور مختلف مواقع پر اس میں ترمیم کی گئی، اس قانون کا مقصد وقف جائداد کو تحفظ فراہم کرنا اور اس کے غلط استعمال کو روکنا تھا لیکن افسوس کہ ان تمام تر قانون کے بعد بھی وقف کا تحفظ نہیں ہو سکا پھر ۱۹۸۴ء

میں نیا وقف قانون آیا،لیکن اس میں بھی مسلمانوں کے مطالبات کونظر انداز کیا گیاپھر ۱۹۹۵ء میں اور دوبارہ ۲۰۱۰ء اور۲۰۱۳ءمیں وقف میں ترمیم کی گئی آخری وقف ایکٹ میں کسی حدتک مسلمانوں کے مطالبات کوسنا گیا تھااور کچھ امید تھی کہ اگر اس قانون پرایمان داری سے عمل ہوتا تو اوقاف کا بہتر استعمال ہوسکتا تھالیکن ایسانہیں ہوااوراب ۲۰۲۴ء میں حکومت نیا ترمیمی بل لے کر آئی ہے۔اس وقت ہندوستان میں سچر کمیٹی کی رپورٹ کے مطابق ۹لاکھ ایکڑ سے زائدزمینیں اوقاف کی ہیں، ہندوستان میں فوج اور ریلوے کے بعدسب سے زیادہ زمینیں اوقاف کے پاس ہیں۔اسی وجہ سے جن لوگوں کومسلمانوں کا وجودایک آنکھ نہیں بھاتاان کومسلمانوں کی اوقاف سے بھی تکلیف ہےاوروہ کسی قیمت ان جائداوں کا ناجائز قبضہ چاہتے ہیں۔

نئے بل میں کیا ہے؟

اس نئے بل میں تقریباچالیس ترامیم کی گئی ہیں، ہمیشہ کی طرح حکومت نے مسلمانوں کو یہ جھانسہ دیا ہے کہ یہ قانون مسلمانوں کے مفاد کے لیےلایا گیا،اس بل سے خواتین، بچوں اور کمزور مسلمانوں کو فائدہ ہوگالیکن اس بل کی سب سے بڑی خرابی یہ ہے کہ وقف مسلمانوں کا مذہبی عمل ہے اور اس کے احکامات فقہ کی کتابوں میں مذکور ہیں اس کے خلاف کرنا درست نہیں ہے لیکن حکومت نے اس ترمیمی بل کا خاکہ بناتے وقت کسی بھی مسلم تنظیموں یاعلماء کرام سے مشورہ نہیں کیا ہے۔

اس بل کا اگرہم جائزہ لیں تو صاف معلوم ہوتا ہے کہ حکومت کی نیت درست نہیں ہے۔اس ترمیم میں ایک بڑی تبدیلی یہ کی گئی ہے کہ اب نئے وقف کونسل میں چاہے مرکزی وقف بورڈ ہو یاصوبائی وقف بورڈ اس کے ارکان میں غیر مسلم بھی شامل ہوں گے بلکہ وقف بورڈ کا چیف ایگزیکیٹیو غیر مسلم بن سکتا ہے،اسی طرح وقف کا سی ای او غیر مسلم بن سکتا ہے سوال یہ ہے کہ جب گرودوارہ کمیٹی میں کوئی مسلمان نہیں ہوتا ہے اور ہندوؤں کی جو مندر وغیرہ کی کمیٹی ہوتی ہے اس میں کوئی مسلمان ممبر نہیں ہوتا ہے یوپی کیرالہ،کرناٹک،تمل ناڈو می ایسے قوانین ہیں کہ ہندو مذہبی املاک کے معاملات میں ہندو ہی اس کا ممبر ہوگا تو پھر وقف بورڈ میں کوئی ہندو کیوں کر ممبر ہوگااور ممبر ہی اس کے مرکزی عہدوں پر ہندو کیوں کر فائز ہوسکتا ہے،کیا یہ مسلمانوں کی املاک کو غیر مسلموں کودینے جیسانہیں ہے، جب قانون کے اعتبار سے غیر مسلم وقف نہیں کرسکتا ہے تو وقف کا ممبر کیوں کر ہوسکتا ہے؟ یہ شق خود حکومت کے منشاء پر سوال کھڑے کرتا ہے کہ اس کے ذریعہ وقف کی حیثیت کوتبدیل کرنااوراس کا غلط استعمال کرنا ہے۔جب اس کے مرکزی کمیٹی میں غیر مسلم ہوں گے تو نیچے بہت سے عہدوں پر بھی یقیناً بہت سے غیر مسلم ہوں گے اس طرح وقف بورڈ کے ذریعہ اگر چند مسلمانوں کو ملازمت مل جاتی ہے وہ بھی خطرے میں پڑسکتی ہے۔

اس نئی ترمیم میں یہ بھی ہے کہ اوقاف کی جائداوں کو کس طرح استعمال کیا جائے گا اس کا حکومت تعیین کرے گی،ظاہر ہے کہ یہ قانون وقف کے اصول کے خلاف ہے اس لیے کہ، فقہ کی کتابوں میں مستقل وقف کا ایک باب ہوتا ہے جس میں وقف کے احکام کوتفصیل سے بیان کیا جاتا ہے، مسجد کے وقف کے احکام الگ ہیں، مدارس کے وقف کے احکام الگ ہیں، دیگر اوقاف کے احکام الگ ہیں، فقہ کی کتابوں میں ایک مسئلہ صراحت کے ساتھ لکھا ہوا کہ واقف کی شرط شریعت کی نص کے درجہ میں ہے یعنی اگر واقف نے وقف کرتے وقت اس وقف کا مصرف طے کردیا ہے تو جس طرح شریعت کی صراحت پر عمل کرنا ضروری ہے اسی طرح واقف کی شرط پر عمل کرنا ضروری ہوگا حتی کہ اگر واقف نے

مدرسہ کے نام پر وقف کیا ہے تو اس کو مسجد میں استعمال کرنا یا قبرستان کے نام پر وقف کیا ہے اس کو مدرسہ میں استعمال کرنا شرعی طور پر درست نہیں ہے جب کہ اس قانون سے حکومت وقف کو جہاں چاہے گی استعمال کر سکتی ہے اس کا دو بڑا نقصان ہوگا ایک تو یہ کہ وقف کی جائدادیں مسلمانوں کے ہاتھوں سے نکل جائیں گی اور دوسرا بڑا نقصان یہ ہوگا کہ آئندہ کے لیے مسلمان وقف کرنے سے رک جائیں گے اور بہت بڑے خیر اور ثواب سے محروم ہو جائیں گے۔

نئے قانون میں یہ بھی ہے کہ جو شخص اسلام پر پانچ سال سے زندگی گزار رہا ہے وہی وقف کر سکتا ہے جس کے اسلام میں داخل ہوئے ابھی پانچ سال نہیں ہوئے ہیں اس کا وقف قابل قبول نہیں ہوگا ظاہر ہے کہ یہ بھی اسلامی شریعت کے اصول وقف کے خلاف ہے اسلام میں تو غیر مسلم کا بھی وقف کرنا درست ہے جب کہ یہاں پر مسلمان ہونے کے بعد بھی اس کا وقف درست نہیں ہے یہ ایک مسلمان کو ایک عبادت کی ادائیگی سے روکنے کے مترادف ہے اور مسلمان کو کسی عبادت کے انجام دہی سے روکنا خود دستور ہند سے دیئے گئے بنیادی حقوق کے خلاف ہے۔ دستور کی دفعہ ۲۵ میں ہے کہ ہر شخص کو آزادی سے مذہب قبول کرنے اس پر عمل کرنے اور اس کی تبلیغ کرنے کی اجازت ہے اسی طرح دفعہ ۲۶ میں ہے کہ ہر شخص کو اپنے مذہبی اور خیراتی اغراض کے ادارہ قائم کرنے اور از خود اس کا انتظام چلانے کا اختیار ہے۔ (بھارت کا آئین، ص ۵۳)

اس نئی ترمیمی بل میں ایک شق یہ بھی ہے کہ جو اوقاف کی جائدادیں باضابطہ طور پر واقف کی طرف سے رجسٹرڈ نہیں ہیں بلکہ اسے صرف وقف کے طور پر استعمال کیا جاتا ہے اسے وقف تسلیم نہیں کیا جائے گا وقف کے درست ہونے کے لیے رجسٹرڈ ہونا لازم ہوگا یہ قانون بھی اسلام کے اصول وقف کے خلاف ہے اس لیے کہ حضرات فقہاء نے زبانی طور پر وقف کو درست قرار دیا ہے۔ اس قانون کی بنیاد پر بہت سی جائدادیں وقف ہونے سے نکل جائیں گی اور حکومت ان جائدادوں پر اپنا تسلط حاصل کرلے گی، اس لیے کہ ہندوستان میں اوقاف کی تاریخ بہت پرانی ہے، اور بہت سی مساجد ہیں جو چار سو یا پانچ سو سال پرانی ہیں ظاہر ہے کہ ان کا کوئی ریکارڈ تلاش کرنا ممکن نہیں ہے اس کے وقف ہونے کا یہی ثبوت ہے کہ اس کو اتنے سالوں سے بطور وقف کے استعمال کیا جا رہا ہے قانون کی یہ شق بھی سیدھے طور پر مسلمانوں کے اوقاف کو ہڑپنے اور ان کو اپنی اوقاف سے بے دخل کرنے جیسا ہے اس طرح بہت سی مساجد اور مدارس بھی مسلمانوں کے ہاتھ سے نکل سکتے ہیں۔

بل میں یہ بھی ہے کہ کوئی شخص اگر اپنی پوری جائداد کو وقف کرے تو اس کا ایک تہائی ہی وقف مانا جائے گا یہ مسئلہ بھی شرعی طور پر درست نہیں ہے، اگر کوئی شخص اپنی زندگی میں صحت کی حالت میں اپنی پوری جائداد وقف کر دے تو وہ وقف درست ہے ہاں اولاد کو محروم کرنا درست نہیں ہے بعض مرتبہ کسی کا کوئی قریبی وارث نہیں ہوتا جس نے اس کی دیکھ ریکھ کی ہو اور اس کی زندگی کی آخری لمحات میں اس گاؤں کی مسجد یا مدرسہ کمیٹی نے اس شخص کی دیکھ ریکھ کی تو وہ شخص اپنی پوری جائداد مسجد کے نام یا مدرسہ کے نام وقف کر دیتا ہے تو وہ وقف درست ہے شرعی طور پر اس میں کوئی قباحت نہیں ہے جب کہ اس قانون میں ایسا کرنے سے منع کیا گیا ہے اور ایک تہائی سے زیادہ کو درست نہیں مانا گیا ہے۔

نئے قانون کی ایک شق یہ ہے کہ اختلاف نزاع کی صورت میں وقف کے ہونے نہ ہونے کا اختیار ضلع مجسٹریٹ کو ہوگا ابھی اس سلسلے میں وقف ٹربیونل ہے جس میں یہ فیصلہ ہوتا ہے جس کو صوبائی چیف جسٹس مقرر کرتا ہے لیکن اگر تمام تر اختیارات ضلع انتظامیہ کو دے دیا گیا کلکٹر جس زمین کے بارے میں یہ لکھ دے کہ یہ سرکاری زمین ہے تو وہ سرکاری زمین مان لی جائے گی اس طرح جہاں جہاں مسجد و مندر کا مقدمہ چل رہا ہے وہاں آسانی سے صرف کلکٹر سے لکھوا کر زمین کو حاصل کیا جاسکتا ہے اسی طرح اوقاف کی نصف جائدادوں پر اس وقت خود حکومت قابض ہے اگر صوبہ کے وزیر اعلی کا کوئی حکم ضلع انتظامیہ کو آجائے تو ضلع انتظامیہ کے لیے اس کے خلاف فیصلہ کرنا آسان نہیں ہوگا۔ اس طرح وقف بورڈ کے اختیارات دھیرے دھیرے ختم ہوجائیں گے۔ بل کی تمام شقوں کو پڑھا جائے تو صاف ہوجاتا ہے کہ وقف کے تعلق سے حکومت کی نیت درست نہیں ہے، مسلمانوں کی اتنی بڑی جائدادوں کو اپنے قبضہ میں لے کر مزید مسلمانوں کو مفلوج کرنے اور اپنے لوگوں کو فائدہ پہونچانے کا منشاء ہے۔ موجودہ قانون کی وجہ سے واقف کے منشاء کے خلاف وقف کا استعمال ہوگا، وقف ٹربیونل کی جگہ کلکٹر راج قائم ہوگا اور کلکٹر جو چاہے گا فیصلہ کرے گے، جن وقف کی جائدادوں پر نزاع ہے ان میں کلکٹر کا فیصلہ آخری ہوگا، مجوزہ قانون کی وجہ سے خود حکومت سابقہ اوقاف کے قوانین بے حیثیت ہوجائیں گے۔ وقف جو کہ شرعی عمل سے اس میں حکومت کی مداخلت ہوگی اور مذہبی کاموں پر عمل کی آزادی سلب ہوجائے گی۔ وقف بورڈ کی خودمختاری خطرے میں پڑ جائے گی۔

☆☆☆

ڈاکٹر نادر المسدوسی۔ صدر بزم علم و ادب حیدرآباد

غزل

ضمیر اپنا ہی پیچھا کر رہا ہے
مرے اندر کا انساں مر رہا ہے

بہت ہے بھیڑ پر لگتا ہے ایسا
"کوئی میرا تعاقب کر رہا ہے"

گھنے جنگل میں ایسا گھر چکا ہوں
گرا پتہ بھی تو دل ڈر رہا ہے

اُسے میں کس طرح دل سے نکالوں
مرا دشمن ہی جو دل بر رہا ہے

تعجب ہے کہ کس طرح سے میری
مرا اپنا ہی غیبت کر رہا ہے

نگر میں ہونے والے حادثوں کو
مرے ہی نام دُشمن کر رہا ہے

جسے ناکارہ تم سمجھے تھے، وہ خود
مہم آرام سے سر کر رہا ہے

سنبھل کر اب مجھے رہنا ہے نادرؔ
مرا دشمن مرے اندر رہا ہے

پروفیسر مجید بیدار ۔سابق صدر شعبۂ اردو، جامعہ عثمانیہ، حیدرآباد

''گھٹا کا رُخ'' کی شاعری کا تنقیدی جائزہ

حیدرآباد کی سرزمین کو شعروادب ہی نہیں، بلکہ فنونِ لطیفہ کی سرفرازی کا اہم موقف حاصل رہا ہے۔قطب شاہی دور سے ہی یہ سرزمین علم وفن کا گہوارہ اورفن تعمیر کی نمائندہ خصوصیات کی حامل رہی ہے۔قطب شاہی بادشاہوں کی مادری زبان فارسی تھی، لیکن انہوں نے اس علاقہ میں فروغ پانے والی دکنی زبان کی سرپرستی کرتے ہوئے اپنے دورِاقتدار میں دکنی کے دو اہم شاعروں ملاّ وجہی اور ملاّ غواصی کو ملک الشعراء کے اعزاز سے سرفراز کیا، جس سے قطب شاہی بادشاہوں کی ادب دوستی کا ثبوت فراہم ہوتا ہے۔اسی طرح جب دکن کے مرکزی مقام حیدرآباد پر آصف جاہی سلطنت کا قبضہ ہوا تو دوسرے آصف جاہی حکمران نواب میر نظام علی خاں کے عہد سے ہی شعروادب کی سرفرازی کا سلسلہ جاری رہا۔چنانچہ آصف جاہی دور میں دہلی کی غزل کو رومانیت سے وابستہ کرنے والے داغ دہلوی اور لکھنو کی شعری روایت کو غزل سے جوڑنے والے اہم شاعروں جیسے امیر مینائی اور فصاحت جنگ جلیل کے توسط سے حیدرآباد کی اردو غزل کو اعتبار کا درجہ حاصل ہوا۔اسی دوران سید علی حیدر نظم طباطبائی اور شبیر حسن خاں جوش ملیح آبادی کی نظموں کی وجہ سے حیدرآباد کی غزل اور نظم کی شاعری میں روایات کے ساتھ ساتھ ترقی پسند رجحانات کا آغاز بھی ہوا۔سولہویں صدی سے لے کر بیسویں صدی تک حیدرآباد کو علم وفن ہی نہیں، بلکہ شعروادب کے گہوارہ کا درجہ حاصل رہا ہے۔چنانچہ اس شہر میں آزادی سے قبل اور آزادی کے بعد شعروادب کی زلفیں سنوارنے والے شاعروں کی صف میں بے شمار نام موجود ہیں۔ایسے ہی حیدرآبادی شاعروں میں مرزا حامد علی بیگ المتخلص بہ حامد مغل کا شمار ہوتا ہے، جنہیں اردو شاعری کے مزاج اور غزل کے شعری رویے کو پیش کرنے کا خصوصی وصف حاصل رہا تھا۔انہیں حیدرآباد کے ایسے غزل گو شعراء میں شمار کیا جاتا ہے، جنہوں نے غزل کی حسیت کو بھرپور نمائندگی دینے کے لئے اساتذہ سے استفادہ بھی کیا اور روایتی غزل کے انداز کو برقرار رکھتے ہوئے غزل کی نئی روایات کو پیش کرنے پر توجہ دی۔ غرض ان کے شاعرانہ احساسات کو نمائندگی دینے کے لئے ان کے دامادِ محترم ڈاکٹر محمد شاہد صدیقی (علیگ) نے سالِ رواں ''گھٹا کا رُخ'' کے عنوان سے شعری مجموعہ کی اشاعت عمل میں لائی ہے۔کلام کے مطالعہ سے اندازہ ہوتا ہے کہ حامد مغل کی پیدائش 15 نومبر 1939ء کو حیدرآباد میں ہوئی اور انہوں نے اپنے والدین سے تعلیم وتربیت حاصل کر کے پبلک سروس کمیشن کا امتحان کامیاب کیا اور چیف اکاونٹس آفیسر کی حیثیت سے نومبر 1997ء کے دوران ملازمت سے سبکدوشی اختیار کی۔اردو شعروادب کی نمائندگی کرتے ہوئے 4 اگست 2018ء کو انہوں نے اپنا آخری سفر بھی مکمل کرلیا۔موجودہ معاشرے میں ورثہ کو سنبھالنے اور اسے دور تک پہنچانے کی کوشش معدوم ہوتی جارہی ہے، لیکن یہ بھی خوش آئند بات ہے کہ ڈاکٹر محمد شاہد صدیقی نے اپنی ذمہ داری نبھاتے ہوئے ''گھٹا کا رُخ'' کے توسط سے غزلیات کا مجموعہ پیش کیا ہے اور انہوں نے حامد مغل کی شاعری کا انتساب اپنی خوش دامن بدر سلطانہ کے نام معنون کر کے آخری صفحہ پر حیدرآباد کے نامور شاعر رحمٰن جامی کے تاثرات کو بھی نمائندگی دی ہے۔غرض حامد مغل کی یادگار تصاویر سے مزین ''گھٹا کا رُخ'' جیسے شعری مجموعہ کو منظر عام پر لاتے ہوئے ڈاکٹر محمد شاہد صدیقی نے وراثت کی منتقلی کا کارنامہ انجام دیا ہے، جس کے لئے وہ

مبارکبادی کے مستحق ہیں۔109 صفحات پر مشتمل اس کتاب کی قیمت200 روپئے انتہائی واجبی ہے' تاہم موجودہ دور کے اردو معاشرے میں دن بہ دن مطالعہ سے بے نیازی کی وجہ سے یہ توقع رکھنا کہ اس شعری مجموعہ کو اعتبار کا درجہ حاصل ہوگا' بلاشبہ کسی بہت بڑی غلط فہمی سے تعبیر کیا جائے گا۔

حامد مغل کی غزلوں سے اندازہ ہوتا ہے کہ انہوں نے اپنی شاعری کو غزلِ مسلسل سے وابستہ رکھا۔ چنانچہ طویل غزلوں میں قافیہ اور ردیف کے رچاؤ کو برقرار رکھنے میں وہ پوری طرح کامیاب ہیں۔ یہی نہیں' بلکہ وہ شائستہ اور انسانی زندگی کی حقیقت میں عشق و محبت کی ضرورت اور اہمیت کو بھی قدر کی نگاہ سے دیکھتے ہیں۔ اسی کے ساتھ انہوں نے غزل کی شاعری میں مردف اور غیر مردف غزلوں کا اہتمام بھی کیا ہے۔ رواں بحروں اور سادہ الفاظ کے ساتھ رومانی خیالات کی نمائندگی ہی ان کی غزل کا خصوصی وصف ہے۔ بلاشبہ انہوں نے حالات اور مسائل کے سلسلہ میں بھی غزل میں بھرپور نمائندگی کی طرف توجہ دی ہے۔ اس شعری مجموعہ کو پیش لفظ اور تعارف کے علاوہ عذر جسارت اور زندگی نامہ جیسے موضوعات سے آراستہ کیا گیا ہے' تاہم غزلیات کی فہرست درج نہیں ہے۔ ایک غزل کو دو صفحات میں شائع کر کے مرتب نے شعری حسن کو برقرار رکھا ہے۔ حامد مغل نے غزل کی شاعری کو صرف روایات کا پاسدار ہی نہیں رکھا' بلکہ جدید افکار کی نمائندگی پر بھی توجہ دی ہے۔ قافیہ اور ردیف کی چست بندش سے ان کی شعری خوبی میں اعتماد شامل ہوتا ہے' جس کی وجہ سے ہر غزل میں نغمگی اور موسیقی کی کیفیت نمایاں نظر آتی ہے۔ غزلِ مسلسل میں خیالات کی ترسیل میں بڑی آسانی ہوتی ہے' لیکن تسلسل کے دوران فکر کی نمائندگی حد درجہ دشوار ہوتی ہے' لیکن حامد مغل کا شعری رویہ اس قدر محتاط اور جمالیاتی احساس سے وابستہ ہے کہ ان کی غیر مردف غزل بھی رومانیت کے ساتھ ساتھ حقیقت کی نشاندہی کرنے کا سبب بن جاتی ہے۔ چنانچہ ان کی مردف غزل کا احساس چند اشعار کے ذریعہ نمایاں کیا جارہا ہے۔

نگاہیں چرا کر نگاہیں ملاؤ
چلے آئیں گے سر کے بل آزماؤ
مجھے زہر دے کر کہیں پھنس نہ جاؤ
مریض شگر ہے' شکر دے کے مارو
بھٹکنے لگا ہے بہت دل تمہارا
حسینوں کی زد سے خدارا بچاؤ
مقامات آدابِ محفل ہیں حامد
مسلسل کسی سے نہ نظریں ملاؤ

بلاشبہ غزل تحریر کرنا ایک بہت محتاط فن کا درجہ رکھتا ہے۔ عام طور پر غزل کے شعراء میں فلمی دُھنوں پر لکھے جانے والے گیتوں کا اثر بھی غالب ہوتا ہے۔ اگرچہ اس غزل میں آزماؤ کا قافیہ بچاؤ اور ملاؤ ضرور شامل ہوسکتا ہے' لیکن اس کے قافیہ کو مارو کی حیثیت سے پیش کرنا مناسب نہیں۔ اس غزل کے مطالعہ کے بعد یہ احساس پیدا ہوتا ہے کہ فلمی گیت کا مشہور مکھڑا ضرور حامد مغل کے پیش نظر رہا ہوگا۔ فلمی گیت کا شعر ملاحظہ ہو۔

آواز دے کر ہمیں تم بلاؤ
محبت میں اتنا نہ ہم کو ستاؤ

جمالیاتی احساس کا جذبہ جب غالب ہوتا ہے تو اس کے لئے شاعر کی فکر کا کسی بھی گیت اور قدیم شاعر کے شعری تخیل سے ٹکرا جانا کوئی اہم بات نہیں ہے۔ نئے قوافی اور ردیف میں غزل لکھنے کا اہتمام بھی حامد مغل کی شاعری میں دکھائی دیتا ہے۔ وہ روایتی قوافی کو عصری ردیف سے ہم آہنگ کر کے غزل لکھنے میں اپنی مہارت کا اظہار کرتے ہیں۔ غزل کی شاعری کے ذریعہ انہوں نے واضح کر دیا ہے کہ کہنہ روایات کو وہ اگرچہ ناپسند کیا جاتا ہے' لیکن رسم و رواج کی پابندی کرتے ہوئے انسان نے ایسے طریقے ضرور اختیار کر لئے ہیں کہ جس کی جکڑ بندی سے نجات حاصل کرنا اب ممکنات میں شامل نہیں ہے۔ ان کی ردیف ''زنجیر'' والی غزل سے نتائج اخذ کرنے اور ان کی شعری روش کو سمجھنے میں بڑی آسانی ہوجاتی ہے۔ یہ غزل

بھی 16 اشعار پر مشتمل ہے، جبکہ عام طور پر غزل لکھنے کے لئے طاق اعداد کا استعمال ہوتا ہے، لیکن حامد مغل نے پتہ نہیں کیوں اس غزل کے ذریعہ طاق اعداد کے بجائے جفت اعداد کی نمائندگی پر توجہ دی۔ غزل کا پرتَو خود ثابت کرتا ہے کہ حامد مغل نے غزل کی شاعری کو روایات اور مسائل سے مربوط رکھنے پر خصوصی توجہ صَرف کی ہے۔ اس حقیقت کو تلاش کرنے کے لئے ان کی غزل کے چند اشعار بطور نمونہ پیش ہیں۔ یہ غزل درحقیقت ان کے تجربات اور عملی کارناموں کا نتیجہ سمجھی جائے گی۔ چنانچہ چند اشعار ملاحظہ ہوں۔

مضبوط ہے یہ کہنہ روایات کی زنجیر
ٹوٹے گی کہاں جاکے رسومات کی زنجیر

آجاتے ہیں جذبات عمل داری میں اس کی
قابو سے نکل جاتی ہے جذبات کی زنجیر

دل میں نہ کبھی اس کو ذرا سی بھی جگہ دو
کردار بدل دے گی خصومات کی زنجیر

پہنو نہ کسی کے کبھی بہکاوے میں آکر
فرقہ کی بڑی تنگ نظریات کی زنجیر

اب بس بھی کرو کتنے سوالات کرو گے
ہوتی ہی نہیں ختم سوالات کی زنجیر

انساں کو بنادیتی ہے شیطان کا چیلہ
یہ تنگ دلی یہ نظریات کی زنجیر

نقصان رساں ہوتی ہے نیت کی خرابی
جوڑو نہ فقط اپنے مفادات کی زنجیر

مظبوطی ارادوں میں کبھی آنہ سکے گی
کھولوگے اگر دل سے نہ خدشات کی زنجیر

حالات تو کرتے تھے تغیر کا تقاضہ
پہنی نہ کبھی اپنے مفادات کی زنجیر

اس غزل کے اشعار سے خود اندازہ ہوتا ہے کہ شاعر نے بہت سے مصرعے ایسے تحریر کئے ہیں، جو دوسرے مصرعہ کو نبھانے کے لئے استعمال ہوئے ہیں۔ اس غزل کے اشعار سے یہ ثبوت بھی ملتا ہے کہ حامد مغل کے شعری دنیا کو سنوارنے کے لئے استادِ محترم کی جستجو کو بھی غزل کے اشعار میں شامل کیا ہے۔ دو رکنی اور سہ رکنی ردیف کو نبھانے کا ہنر بھی ان کی غزلوں کا خصوصی وصف ہے۔ یہی وجہ ہے کہ وہ غزل میں تغزل کی کیفیت سے زیادہ اس کی فنی خصوصیت پر توجہ دیتے ہیں۔ شائد یہی وجہ ہے کہ حامد مغل کی غزلوں میں تغزل سے زیادہ فن کی گہرائی اور گیرائی کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔ چونکہ وہ قوافی اور ردیف کو نبھانے میں محنت صَرف کرنے کے عادی ہیں، اس لئے ان کے اشعار میں جمالیاتی احساس کا انداز کم اور فکر کی احساس کا عنصر غالب ہوجاتا ہے۔ تین رکنی ردیف کے ساتھ ان کی ایک غزل کے اشعار ملاحظہ ہوں، جن میں رومانی احساس کی گرمی کو فکر پر غلبہ کا جذبہ قرار دیا جاسکتا ہے۔

وہ لوگ بھی تو آخر انسان کب ہوئے ہیں
پورے کوئی بھی جن کے ارمان کب ہوئے ہیں

کیسا تھا جادو جانے آنکھوں میں اس حسیں کے
اب تک ٹھکانے اپنے اوسان کب ہوئے ہیں

کترا رہے ہیں ان سے اظہارِ عشق کرتے
ان کی طرح سے ہم بھی ذیشان کب ہوئے ہیں

موقع ملا ہے ہم کو کرنے کا میزبانی
زحمت ہے اس میں کیسی مہمان کب ہوئے ہیں

حسرت لئے دلوں میں یوں ہی گزر گئے وہ
مطبوعہ جن کے کوئی دیوان کب ہوئے ہیں

غزل کے علاوہ حامد مغل نے قطعات بھی لکھے ہیں اور بعض جگہوں پر ان کا ایک ایک شعر بھی درج کیا گیا ہے۔ احساس کی جمالیاتی خصوصیت کو نمائندگی دینے اور غزلِ مسلسل کے انداز کو واضح کرنے کے لئے حامد مغل کی فکر حد درجہ انسانیت دوست ہے۔ اس دوران بھی وہ حسن و عشق کی کیفیت کو واضح کرنے کی خصوصیت کا اظہار کرتے ہیں۔ لازمی ہے کہ ان کے شعری مجموعہ میں شامل بہت سی غزلیں بے ساختہ ہیں اور ان کے توسط سے سہل

ممتنع کی روایت بھی فروغ پاتی ہے۔ان کی مشہور غزل کے چند اشعار جس سے خود اندازہ ہوتا ہے کہ صلح کُل ان کی شاعری کا قیمتی وصف ہے‘ جس کا اظہاران کی اس غزل سے واضح ہوتا ہے۔

اتنی کیوں ہے برہمی میں نے کہا
کیا خطا مجھ سے ہوئی میں نے کہا
دوستوں کی محفلیں چھوڑے ہوئے
ایک مدت ہوگئی میں نے کہا
زندگی کا چوس لیتی ہے لہو
وہ بلا ہے مفلسی میں نے کہا
ہوگئی مدہوش میری زندگی
پی کے جامِ عاشقی میں نے کہا

ردیف کو نبھانے کے لئے قافیہ کا برجستہ استعمال خود یہ ثابت کرتا ہے کہ حامد مغل کی شاعری اگرچہ سہل ممتنع کا نمونہ ہے‘ لیکن مختصر بحر کے ساتھ ساتھ طویل بحر میں بھی وہ اظہار کی ندرت کو حقائق سے وابستہ کرنے میں کامیاب ہوجاتے ہیں۔ان کی بیشتر غزلوں میں عصری حقیقتوں کا کرب ظاہر ہوتا ہے۔انہوں نے اپنے تجربوں سے حقیقتوں کی عکاسی پر خصوصی توجہ دی ہے۔یہی وجہ ہے کہ غزل کو حسن وعشق کی روش سے وابستہ کرنے کے ساتھ ساتھ عصری حسیت کو واضح کرنے میں ان کے اشعار کی حقیقت کو محسوس کیا جاسکتا ہے۔چنانچہ وہ نئے قافیوں اور ردیف کی کیفیت کو نبھانے میں شعر کے حسن کو دوبالا کرنے کا فریضہ بھی انجام دیتے ہیں۔عجیب وغریب قافیوں کو نبھاتے ہوئے انہوں نے جس انداز کی غزل لکھی ہے‘ اس کے سرور اور کیفیت کے انداز کو ملاحظہ فرمایئے۔

اونچے اُڑے وہ اتنے کہ آکاش ہوگئے
پھر آگرے زمیں پہ تو صدپاش ہوگئے
پھنس کے ہوس کے جال میں عیاش ہوگئے
برباد اس طرح ہوئے کہ قلاش ہوگئے
شعلہ بدن کے آتے ہی محفل میں یوں لگا
فکر و نظر کے زاویے اوباش ہوگئے
آندھی کی زد میں آگئی تعمیر آشیاں
پھل پھول تھے جو پیڑوں پہ سب تاش ہوگئے

حددرجہ ثقیل قافیوں کو نبھانے اور اس کے توسط سے افکار کی نشاندہی کے طرز سے خود اندازہ ہوتا ہے کہ حامد مغل نے غزل کی شاعری کو عصری حسیت کے ساتھ ساتھ جمالیاتی خصوصیت سے آراستہ کیا ہے‘ جس کے ساتھ ہی انسانیت کا درد اور انسان کو سنوارنے کی کیفیت کا انداز بھی ان کی غزل کا حصہ ہے۔چنانچہ اس کیفیت کی نشاندہی کے لئے ان کی فکر کو جلا دینے والی ایک غزل کے چند اشعار بطور نمونہ پیش ہیں۔

آلودہ ذہنیت سے بچاتا ہوں آج بھی
کردار آدمی کا نبھاتا ہوں آج بھی
کتنی حقیقتوں کو چھپاتا ہوں آج بھی
قصے وفا کے تیری سناتا ہوں آج بھی
مایوسیوں نے دل میں اندھیرا نہیں کیا
امید کا دیا میں جلاتا ہوں آج بھی
ملتا نہیں ہے مجھ کو مسیحا اسی لئے
زخموں کو اپنے دل کے چھپاتا ہوں آج بھی
آتی ہے یاد جب کسی بچھڑے رفیق کی
دل کو شریکِ غم میں بناتا ہوں آج بھی

اس غزل میں حامد مغل نے اپنے احساسات کی شدت کو نمایاں کیا ہے۔اسی کے ساتھ یہ حقیقت بھی واضح ہوتی ہے کہ اس طویل غزل میں 28 اشعار شامل ہیں اور یہ غزل صفحہ 61 سے 66 تک اپنی فکر کی نمائندگی کرتی ہے۔’’گھٹا کا رُخ‘‘ جیسے عنوان سے خود اندازہ ہوتا ہے کہ حامد مغل نے اپنی شاعری کو حسن وعشق کی سرگرمیوں کے علاوہ باضابطہ انسانیت کے جذبات اور احساسات سے وابستہ کرکے دنیا میں بسنے والے انسانوں کو اشرف المخلوقات کی ڈگر پر عمل پیرا رکھنے کا ارادہ ظاہر کیا ہے۔ (بقیہ صفحہ 18 پر)

سید مہتاب عالم

اگر آپ پڑھا ہوا علم بھول جاتے ہیں تو علم میں پختگی کیسے آتی ہے

اکثر طلباء وطالبات پریشان ہوتے ہیں کہ جو پڑھتے ہیں وہ بھول جاتے ہیں جبکہ حقیقت میں یہ پریشانی کی وجہ بالکل بھی نہیں ہے آگے آنے والی تحقیق کو دھیان سے پڑھیں ان شاءاللہ راحت پائیں گے اور مایوسی سے نجات ملے گی۔

کبھی آپ نے غور کیا کہ

علم کی پختگی کیا ہے؟

رسوخ فی العلم کیا ہے؟

تفقہ کیا ہے؟

علم کی پختگی یہ نہیں کہ آپ نے جو کچھ پڑھا وہ آپ کو ہر وقت یاد رہے!

علم کی پختگی، رسوخ فی العلم، تفقہ یہ ہے کہ علم آپ کے قلب وذہن میں رچ بس جائے۔

جب علم اور علم کی روح آپ کے گوشت پوست قلب و ذہن میں اتر جاتی ہے تو عباراتِ کتب من وعن آپ کے ذہن میں نہ بھی ہوں ان کا درست مفہوم ہمیشہ ذہن میں رہتا ہے۔یہی علوم کی پختگی ہے۔یہی رسوخ فی العلم ہے۔

یہی تفقہ ہے۔

بلکہ کبھی تو عبارت نہ عبارت کا مفہوم کچھ بھی ذہن میں نہیں ہوتا مگر علم والا درست بتا دیتا ہے۔

بھلا کیسے؟

کیونکہ علم اس کی روح میں اتر چکا ہے رسوخ فی العلم ہو چکا ہے اور یہی شرحِ صدر ہے۔

اور جسے شرح صدر حاصل ہو وہ مزاجِ اسلام اور مقاصدِ شریعت بخوبی جانتا ہے۔اور یہ (شرحِ صدر) اور وہ (مزاجِ اسلام کی معرفت) اس بندے کو معاصر علماء سے نہ صرف ممتاز بلکہ بلند کردیتی ہے۔

قرآن کریم نے فرمایا:

اَفَمَنْ شَرَحَ اللّٰهُ صَدْرَهٗ لِلْاِسْلَامِ فَهُوَ عَلٰى نُوْرٍ مِّنْ رَّبِّهٖ فَوَيْلٌ لِّلْقٰسِيَةِ قُلُوْبُهُمْ مِّنْ ذِكْرِ اللّٰهِ اُولٰٓئِكَ فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ. ترجمہ کنزالایمان

تو کیا وہ جس کا سینہ اللہ نے اسلام کے لیے کھول دیا تو وہ اپنے رب کی طرف سے نور پر ہے اس جیسا ہو جائے گا جو سنگ دل ہے تو خرابی ہے ان کی جن کے دل یادِ خدا کی طرف سے سخت ہوگئے ہیں وہ کھلی گمراہی میں ہیں۔

جس کو شرحِ صدر نصیب ہو جائے وہ عالمِ ربانی ہے اس کی نگاہ کتابوں کی عبارات کے حفاظ سے بہت باریک ہوتی ہے۔امام حسن بصری نے فرمایا:

الفتنة إذا أقبلت عرفها كل عالم وإذا أدبرت عرفها كل جاهل.

فتنہ جب آتا ہے تو ہر عالم اسے پہچان لیتا ہے اور جب واپس پلٹتا ہے یعنی ختم ہو جاتا ہے تب ہر جاہل جان لیتا ہے کہ یہ فتنہ تھا۔

اخلاق العلماء للآجری

علم حفظ روایات کا نام نہیں نہ رٹا مار کر عبارات یاد کر

لینے کا نام ہے نہ ہی ذہانت کے بل پر روایات و واقعات مع جلد وصفحہ یادرکھنے کا نام ہے۔

علم تو وہ ہے جس کے بارے امام مالک نے فرمایا:

إن العلم ليس بكثرة الرواية إنما العلم نور يقذفه الله في القلب.

علم کثیر روایت کا نام نہیں بلکہ علم تو ایک نور ہے جسے اللہ رب العزت دل میں ڈال دیتا ہے۔ درمنثور

جب یہ نور دل میں سماتا ہے شرح صدر نصیب ہوتا ہے آنکھوں سے پردے ہٹ جاتے ہیں۔

دل درست سمت سوچتا ہے دل کے سوچنے کا معیار درست ہو جاتا ہے۔ یہ سب کیسے ہوتا ہے؟

کثرت سے مطالعہ کے سبب اور جو پڑھا اس کی تہ تک پہنچا جائے۔

امام شعبی کا دلچسپ فرمان ہے:

جتنا میں نے بھلا دیا اگر کوئی یاد کر لے وہ عالم بن جائے۔ یعنی اتنا علم میں بظاہر بھول چکا ہوں کہ کوئی اور وہ جان لے تو عالم بن جائے۔

جبکہ حقیقت یہ تھی کہ جو امام شعبی بھول چکے وہ بھولے نہیں ان کے گوشت پوست , ذہن وقلب میں سرایت کر چکا تھا۔ جیسا کہ میں نے اوپر بیان کیا جب علم گوشت پوست ذہن وقلب میں اتر جائے تو یاد نہ بھی رہے تو رسوخ فی العلم حاصل ہو جاتا ہے

ذہن کو کسی کی سوچ کے مطابق نہ ڈھالیں سوائے امامِ مذہب جس کی آپ تقلید کرتے ہیں اس کے!

استاذ ضرور بنائیں مگر اپنی سوچ کے پرندے کو پنجرے میں بند مت کریں۔

ایک فقیہ کا فرمان ہے:

جو ایک استاذ کا شاگرد رہتا ہے وہ پیچھے رہ جاتا ہے

اپنے استاذ سے ہٹ دوسرے علماء کو سنیں پڑھیں ذہن کہ گرہیں کھلتی ہیں۔

اسلاف کی سیرت پڑھیں

یہاں آپ کو نہایت قیمتی نکتہ بیان کر دیتا ہوں، اکثر طلباء و طالبات غلطی کرتے ہیں کہ علوم وفنون کی کتابیں تو پڑھتے ہیں مگر سیرتِ علماء وفقہاء وصوفیاء ومحدثین سے غافل رہتے ہیں۔

اللہ کے بندو!

شرح صدر ان کے احوال پڑھنے سے نصیب ہوگا۔

فقہاء وصوفیاء ومحدثین کے حالات پڑھنے سے مزاجِ اسلام سمجھ آئے گا۔ لہٰذا جو پڑھا اس کو یوں سمجھیں جیسے خوراک جزوِ بدن بن جاتی ہے مگر نظر نہیں آتی ویسے ہی آپ کو بظاہر بھولا ہوا علم جزوِ قلب بن گیا ہے۔

اس پڑھی مگر بھولی ہوئی بات کی تاثیر آپ کے دل میں بیٹھ گئی ہے۔ آپ مطالعہ کو کثیر کریں آپ کی افکار میں تبدیلی آتی جائے گی۔

یہی تو دلیل ہے کہ علم بڑھ رہا ہے اگرچہ بظاہر آپ کو نہ عبارت یاد ہوتی ہے نہ کتاب نہ جلد یاد رہتی ہے۔

علم کا نچوڑ آپ کے جسم میں اتر رہا ہے یہی رسوخ فی العلم کی ابتداء ہے!

لہٰذا گھبرائیں نہیں مطالعہ جاری رکھیں۔ ایک وقت آئے گا اگر آپ کو رسوخ فی العلم نصیب ہوا آپ کو شرحِ صدر ملا تو آپ کے اندازے بھی علمِ یقین کی طرح پختہ ہوں گے!

☆☆☆

محمد سالم قاسمی سریانوی۔ جامعہ عربیہ احیاء العلوم مبارک پور، اعظم گڑھ یوپی

سوشل میڈیا اور اردو زبان وادب

آج کا انسان اکیسویں صدی میں زندگی بسر کررہا ہے، جو صدی سائنس اور ٹکنالوجی کی صدی ہے، ہر بدلتا دن نئے منظر نامہ کے ساتھ طلوع ہوتا ہے، ہر آن کچھ نہ کچھ نیا ہوتا رہتا ہے، وقت اور حالات کے بدلنے سے نیا پن آتا رہتا ہے، ابھی چند سالوں پہلے سوشل میڈیا کا کوئی تصور نہیں تھا، لوگوں کو اس سے کوئی واقفیت نہیں تھی، مگر دیکھتے دیکھتے پوری دنیا اس کی دیوانی اور اسیر ہوگئی ہے، شاید ہی اب ایسے افراد پائے جائیں جو سوشل میڈیا سے واقف نہ ہوں، یہ گرچہ ممکن ہے کہ سوشل میڈیا کا استعمال نہ کرتے ہوں مگر اس کے نام سے تو ضرور واقف ہوں گے۔

''سوشل میڈیا'' عوامی ذرائع ابلاغ اور ترسیل کا ایک حصہ ہے، جو ابلاغ و ترسیل کے دیگر ذرائع میں اِس وقت سب سے مقبول ذریعہ ہے، پہلے کا دور الگ تھا جب لوگ مطبوعہ چیزوں کو خریدتے اور پڑھتے تھے، ٹکنالوجی نے اس میں ایسا انقلاب برپا کردیا کہ سب کچھ بدل گیا، طبع زاد مواد کے بالمقابل برقی مواد نے جگہ لے لی ہے اور مسلسل اس میں اضافہ ہورہا ہے، آج سوشل میڈیا کا استعمال بے شمار کاموں کے لیے ہورہا ہے، سماجی اور باہمی روابط اور تعلقات کے لیے پہلے جانا پڑتا تھا، ملاقاتیں ہوتی تھیں، خطوط لکھے جاتے تھے، ڈاک کا نظام چلتا تھا، اب بھی یہ وسائل ہیں، مگر کم فرصتی اور عجلت بازی نے سوشل میڈیا کی مقبولیت میں بے پناہ اضافہ کردیا ہے۔

اب سوشل میڈیا کے سہارے اپنی بات دوسروں تک پہنچانا آسان تر ہوگیا ہے، انگلیوں کے سہارے چند الفاظ لکھے اور سوشل میڈیا کے کسی بھی ایپ کا سہارا لے کر چند منٹوں میں اس کو بے شمار افراد تک پہنچادیا، نہ وقت لگا، نہ محنت لگی، مگر آپ کی بات بے شمار افراد تک پہنچ گئی، یہی وجہ ہے کہ آج دنیا کو ایک گاؤں کے مانند کہا جاتا ہے، جہاں کم افراد رہتے ہیں، کوئی بھی بات ہوتی ہے تو منٹوں میں تمام افراد کو معلوم ہوجاتی ہے، اس وقت دنیا ٹکنالوجی کے سہارے ''گلوبل ولیج'' کی طرح ہوگئی ہے۔

بدلتے منظر نامہ کے ساتھ دنیا کی تمام زبانوں نے خود کو نئے رخ اور تبدیلیوں کے مطابق ڈھالنے کی کوشش کی، جن میں اردو زبان بھی ہے، کسی بھی زبان کے زندہ رہنے کے لیے ضروری ہے کہ وہ عصری تقاضوں سے ہم آہنگ ہو، اگر اس میں ہم آہنگ ہونے اور جدید تقاضوں کے مطابق ڈھلنے کا نظام نہ ہو تو بہت جلد وہ زبان زوال کے رخ پر چل پڑے گی اور آہستہ آہستہ اس کا وجود ختم ہوجائے گا، اردو زبان کی اس ہم آہنگ ہونے کی خاصیت نے اس کو نئی بلندیوں سے ہم کنار کیا ہے، بدلتے منظر نامے کے ساتھ اس میں بہت کچھ فائدے ہوئے، گرچہ کئی ایک نقصانات بھی ہوئے ہیں، مگر پھر بھی جو فوائد ہیں وہ کم نہیں ہیں، اگر اہل اردو اپنی توجہات اور عنایات بہتر طریقے سے اس کی جانب کرلیں تو نقصانات کی تلافی کی جاسکتی ہے اور اردو زبان وادب کو مزید بلندیوں سے ہم کنار کیا جاسکتا ہے۔

سوشل میڈیا کا استعمال دیگر زبانوں کے ساتھ اردو میں بھی متداول ہے اور برصغیر کے اندر بہت کثرت کے ساتھ استعمال ہے، جدید ٹکنالوجی کے ساتھ اردو کا ربط بڑھا ہے اور مضبوط ہوا ہے، شروعاتی دور میں تو بہت زیادہ مشکلات تھیں، مگر آہستہ آہستہ ان مشکلات کو دور کرنے کی کوشش کی گئی، جن کا بہتر

نتیجہ آج ہمارے سامنے ہے، آج کسی بھی سوشل میڈیا اکاؤنٹ پر ہم اردو لکھ سکتے ہیں، قارئین کو اردو پڑھنے میں کوئی گرانی نہیں ہوتی ہے، انٹرنیٹ پر اردو کا استعمال بخوبی کر سکتے ہیں، گرچہ بہت سی جگہ نستعلیق رسم الخط کے بجائے یونیکوڈ خط کا سہارا لینا پڑتا ہے، مگر اس پر بھی مسلسل کوششیں جاری ہیں، چناں چہ اب ایسے سسٹم وجود میں آ گئے ہیں کہ آپ ان کے ذریعے موبائل اور کمپیوٹر کا تعلق نستعلیق رسم الخط سے جوڑ سکتے ہیں اور اسی رسم الخط میں موبائل اور کمپیوٹر کو بلا تکلف استعمال کر سکتے ہیں۔

سوشل میڈیا کے سہارے اردو لکھنے والوں کی تعداد میں بہت اضافہ ہوا ہے، وہیں قارئین کی تعداد بڑھی ہے، نئے لکھاڑیوں کی ایک بھیڑ ہے جو نثر و نظم ہر دو میں طبع آزمائی کر رہی ہے، یہ الگ بات ہے کہ اردو ادب کے معیار میں پیچیدگی پیدا ہو گئی ہے، کثرتِ تخلیق کی بنیاد پر ادب اور غیر ادب میں امتیاز کرنا مشکل ہو رہا ہے، ہر کوئی بلا کسی تحقیق اور معیار کے اپنی تخلیقات عام کر رہا ہے، اور اپنے سوشل میڈیا اکاؤنٹس کے سہارے عام افراد تک پہنچا رہا ہے، جس کو لوگ سراہتے بھی ہیں اور دادِ تحسین سے بھی نوازتے ہیں، لائک اور کمینٹ کرنے والوں کی ایک تعداد ہوتی ہے، جس کی وجہ سے لکھنے والے کا حوصلہ بلند ہوتا ہے اور وہ مسلسل تخلیقات میں اضافہ کرتا رہتا ہے، لیکن کسی رہنمائی اور شاگردی کے نہ ہونے کی وجہ سے ادبیت اور معیار میں وہی کمی باقی رہتی ہے جو شروع سے تھی، اس جانب خاص طور سے توجہ دینے کی ضرورت ہے، محض لکھنا کمال نہیں ہے، بل کہ ادبی معیار پر لکھنا کمال ہے، اس کے لیے جد و جہد اور کسی کی رہنمائی کی ضرورت ہوتی ہے۔

سوشل میڈیا کے سہارے اردو لکھنے والوں کے لیے ضروری ہے کہ وہ زبان کا بھی خیال کریں اور اس کی ادبیت کا بھی لحاظ کریں، زبان کے اپنے قواعد اور اصول ہیں، جن کو برتنا ناگزیر ہے، ان قواعد و اصول سے صرفِ نظری اردو کے لیے سخت نقصان دہ ثابت گی، اسی کے ساتھ لکھنے میں ادب اور معیار کا لحاظ بھی لازم اور ضروری ہے، اگر اس کا لحاظ نہیں ہوگا تو پھر ادب کا تماشہ بن جائے گا اور اردو زبان نے جو ادبی سرمایہ دیا ہے ان سب پر پانی پھر جائے گا۔

جہانگیر قیاس۔ حیدر آباد

غزل

کوئی سنتا نہ ہو گر پھر بھی سنایا جائے
آپ کا کام ہے حق کو نہ چھپایا جائے

ہر غلط راہ سے خود کو یوں بچایا جائے
ہر قدم سوچ سمجھ کر ہی اٹھایا جائے

جذبے جو سو گئے ہیں اُن کو جگانے کے لئے
انقلابی کوئی گیت ایسا بھی گایا جائے

دُور کرنی ہو اگر آپ کو نفرت کی گھٹن
دل میں بس پیار کے پودے کو اُگایا جائے

جس کو پڑھنے سے سنور جاتے ہیں دین اور دُنیا
اپنے بچوں کو سبق ایسا پڑھایا جائے

آہ خالی نہیں جاتی ہے کسی کی بھی قیاسؔ
دل کو ہر گز نہ کسی کے بھی دُکھایا جائے

ڈاکٹر ناظر حسین خان۔شعبۂ اردو کرائسٹ چرچ کالج دی مال، کانپور (یوپی)

پری ناز اور پرندے ایک تنقیدی مطالعہ (دوسری قسط)

ب۔غیر روایتی الفاظ کا استعمال

اس زمرے کے دوسرے حصے پر نظر ڈالیں جس میں فلک آرا ،راوی اور ایک شہری کی زبان سے یہ مکالمے ادا کروائے گئے ہیں:

فلک آرا:

''ہاں۔لوگوں نے جب اس مکان کو ہتھیانا چاہا تو ہم نے میاں جان سے پوچھا اس کے کاغذ پتر کہاں ہیں،۔۔۔'' ص۔۸۷

''تمہیں کچھ شاعری واعری کا شوق ہے؟'' ص۔۸۱

راوی:

''کسی نے ہمیں بتایا ہے یہاں کچھ لوگ رہتے ہیں جو لکھنے لکھانے کا کام کرتے ہیں؟'' ص۔۱۵۱

''یہاں کوئی صاحب رہتے ہیں جو لکھنے لکھانے کا کام کرتے ہیں؟'' ص۔۱۵۲

شہری:

''اس عمارت میں تو نہیں رہتے۔دو تین عمارتیں چھوڑ کر ایک عمارت ہے، سنا ہے وہاں کچھ لوگ کچھ لکھتے وکھتے ہیں۔'' ص۔۱۵۱

الفاظ کے حوالے سے ان تمام سوالات کا قائم ہونا اس لیے بھی لازمی ہے کیوں کہ ناول نگار نے 'پری ناز اور پرندے' میں جس دور کی تصویر پیش کی ہے اس وقت میں اردو کی ابھی اتنی بھی حالت خراب نہیں ہوئی تھی کہ کردار سے لفظ 'کاغذات' کی جگہ 'کاغذ پتر' کا استعمال کروایا جائے۔فلک آرا کا تعلق بھلے دربار سے نہ رہا ہو مگر اس کی پرورش اور ماحول زبان کے اعتبار سے ایک اردو تہذیب کے سائے میں ہوئی ہے۔والد کالے خان کے انتقال کے بعد بھی ان کا وہ ماحول برقرار رہا ہے۔اب ایسے میں فلک آرا کی زبان سے لفظ 'کاغذ پتر' استعمال کروانا فلک آرا کے ماحول پر ایک سوال پیدا کرتا ہے۔یہ سوال اس لیے بھی پیدا ہوتا ہے کیوں کہ فلک آرا پرندوں کو جو سبق پڑھاتی ہیں وہ سبق فصیح زبان میں ہے۔اس لیے قاری کے ذہن میں یہ سوال آنا لازمی ہے۔

اس کے علاوہ فلک آرا سے ایک اور لفظ 'شاعری واعری' بلوایا گیا ہے۔اس لفظ کے ذریعے فلک آرا کو راوی سے ملنسار دکھانے کی کوشش کی گئی ہے۔دوران ایم۔فل ایک بار استاد کے سامنے لفظ شاعری واعری راقم کے زبان سے نکل جانے پر ڈانٹ پڑ گئی تھی۔اسی زمانے میں انگریزی شعبے کے چیرمین کے سامنے اسی شعبے کے ریسرچ اسکالر کی زبان سے لفظ 'نماز وماز' نکل گیا تھا تو انگریزی کے چیرمین نے اپنے اس شاگرد کو ڈانٹا کہ 'یہ نماز وماز کیا ہوتا ہے۔' یہاں پر سوال یہ نہیں ہے کہ ان الفاظ کا استعمال غلط ہے یا غیر فصیح ہے بلکہ سوال یہ ہے کہ سن ۱۹۰۰ء کے لکھنو میں یہ الفاظ ان جیسے کرداروں کے درمیان رائج تھے یا ناول نگار نے ان چیزوں کی طرف توجہ نہیں دیا۔

راوی بھی تعلیم یافتہ لگتا ہے اور شہری جس سے قصہ لکھنے والے کا پتا راوی دریافت کر رہا ہے وہ بھی نوابوں کے محلے سے تعلق رکھتا ہے پھر بھی الفاظ کی ایسی غلطی ناول نگار سے اور انیس اشفاق جیسی شخصیت سے کہ اسی ناول میں وہ خود ہی ایک کردار ارجن ملاح کی زبانی بابا کے ان الفاظ:

''اب جنگل جا کر کیا کروں گا۔وہاں کی ساری دولت تو اٹھا لایا۔میں نے کہا بابا میں سمجھا نہیں تو چڑیوں کے پنجروں کی طرف دیکھ کر بولے: 'سلطانِ عالم کی سلطنت کا سب سے بڑا رئیس

تمہارے سامنے کھڑا ہے اٹھو اور سلام کرو۔' ص۔۲۵۷
کے جواب میں کہلواتے ہیں کہ:
''وہ تو کہو دریا سے نوابوں کی بستی بہت قریب ہے، اس لیے ہم ایسی باتیں سمجھ لیتے ہیں ورنہ۔۔۔'' ص۔۲۵۷

تو جب بستی کے بغل میں رہنے والے ملاحوں کی سمجھ زبان کے حوالے سے اس طرح ہے تو ایسے میں نوابوں کی بستی میں رہنے والے لوگوں سے ایسے الفاظ کا استعمال ناول نگار سے سوال کرنے کا موقع فراہم کراتا ہے۔

اس سلسلے میں رام دین کے ذریعے استعمال ایک لفظ ملاحظہ کیجیے:

''۔۔۔۔اور بابو کو ان کے باپ نے بتایا تھا، نکھلئو میں بہت دن تک لوگوں کی زبان پر رہی۔'' ص۔۲۷

مذکورہ بحث بالخصوص رام دین کے ماحول اور ارجن ملاح کے نوابوں کی بستی کے بغل میں رہنے والے قول کے مدنظر اگر قاری رام دین کے ذریعے استعمال لفظ 'نکھلئو' کو پڑھے گا تو یہ لفظ 'نکھلئو' جسے لفظ 'لکھنؤ' کی جگہ پر بلوایا گیا ہے اسے قاری کا ذہن قبول نہیں کرتا۔ کیوں کہ تلفظ 'نکھلئو' رام دین جیسا کردار جس کا تعلق ہی بازار سے تین پشتوں سے رہا ہو ایسے میں اس کی زبان سے اس کا استعمال کروانا ناول نگار کی ایک غلطی مانی جائے گی کہ انہوں نے ناول کی تخلیق سے پہلے کردار کا مطالعہ ٹھیک سے نہیں کیا۔

اس سلسلے کے دونوں حصوں کو الگ الگ کر کے ان پر بحث کرنے کی ایک اور وجہ تھی۔ پہلے حصے میں جن کرداروں کو شامل کیا گیا ہے ان میں غیر مسلم کردار ہیں، رام دین سے لے کر ارجن یا دوسرے ملاح یا ٹھیکیدار کی زبان سے ناول نگار نے ہندی کے الفاظ استعمال کروائے ہیں، ان الفاظ وشواس، انتر، اچھر، ساددھی، راج گیر، بیاہ، سشیل اور سندر وغیرہ کا استعمال اس وقت کے پیرائے میں دیکھیں تو ایسا محسوس ہوتا ہے کہ ناول نگار نے ان ہندو کرداروں کے ذریعے جان بوجھ کر محض ان کے ہندو ہونے کی وجہ سے ان کی زبان سے ان الفاظ کا استعمال کروا ہے۔ ورنہ اس دور میں لکھنو جیسے شہر میں لکھنو کے کردار سے ان الفاظ کا بولا جانا ایک تحقیق طلب موضوع ہے۔ یہ الزام اس لیے بھی ہے کیوں کہ وہیں دوسرے حصے کے کرداروں کی جو مثالیں پیش کی گئی ہیں ان میں ہندی الفاظ کا استعمال یا پورے ناول میں (فلک آرا کے ذریعے لفظ 'کاغذ پتر' کو چھوڑ کر) کسی بھی مسلم کردار کی زبان سے اس طرح کے ہندی الفاظ کے استعمال سے بچا گیا ہے۔ اگر ہندی کے یہ الفاظ اس وقت میں یہ رائج تھے تو پھر اس ناول کے مسلم کرداروں کی زبان سے بھی کہیں نہ کہیں ہندی کے الفاظ بھی نکلے ہوتے، مگر ناول نگار نے اس طرح کی فنی خوبیوں کی طرف توجہ نہیں دیا ہے۔

غیر مہذب الفاظ کا استعمال:

اس حصے کو بھی دو حصوں میں تقسیم کیا گیا ہے۔ پہلے میں لفظ 'باپ' کے استعمال پر بحث کی گئی ہے اور دوسرے حصے میں غیر مہذب جملے کے استعمال کو موضوع بنایا گیا ہے۔

پہلے حصے میں بحث کرنے سے پہلے اسی ناول کے دو تانگے والوں کی گفتگو الگ الگ ملاحظہ کیجیے، پہلی گفتگو راوی اور تانگے والے کی ہے راوی کہتا ہے:

''بابا زنانی سواری ہے۔ گھر کے دروازے تک لے جائیے گا اور تانگہ ہوا پر نہ اڑائیے گا۔''

''میاں گھوڑا بھی لکھنؤ کا ہے اور اسے ہانکنے والا بھی یہیں کا۔'' تانگے والے نے کہا۔

''سدھا ہوا جانور ہے۔ پاؤں زمین پر نپے تلے پڑتے ہیں اور کام ہم لگام سے لیتے ہیں، چابک سے نہیں۔'' یہ کہہ کر اس نے پوچھا:

''میاں کا تعلق اسی شہر سے ہے؟''

''جی''

''تو میاں شہر جانعالم کا ہے۔ یہاں آدمی تو آدمی چڑیا بھی چشم و ابرو کے اشارے سمجھتی ہے۔ نشاں خاطر رہیں جب تک بٹیا تانگے سے اتر کر گھر کے دروازے بند نہیں کر لیں گی جانور ہمارا وہاں سے ملے گا نہیں۔'' یہ کہہ کر تانگے والے نے کہا:

''اور سنیے چابک ہم وہاں چلاتے ہیں جہاں کوئی شہدا سامنے آجاتا ہے۔دلاور جنگ تو ہماری آواز پر قدم بڑھاتا ہے۔''

''دلاور جنگ؟''

''جی۔ یہ جس کی باچھوں میں تسمے پڑے ہیں اسی کا نام دلاور جنگ ہے۔سلطانِ عالم کے ہاتھ سے حکومت نا جاتی تو یہ ان کی فوج میں ہوتا،علی جان کا تانگہ نہ کھینچ رہا ہوتا۔پٹھے دیکھ رہے ہیں اس کے آپ۔دانہ وہی دیتا ہوں جو عالی جاہ کے اصطبل میں دیا جاتا تھا۔والسلام۔''ص۔۱۷۱

تانگے والے کی گفتگو کی دوسری مثال بابا کے ساتھ مکالمے کی شکل میں ملاحظہ کیجیے بابا پوچھتے ہیں:

''میاں تانگے والے کیا نام ہے تمہارا؟''

''سکندر۔۔۔سکندر خاں شیش محلی۔''

''شیش محلی؟''

''محل کے احاطے میں جو اصطبل تھا بزرگ ہمارے اسی میں رہتے تھے۔''

''تو بھائی سکندر۔۔۔اتنی تیز نہ چلاؤ کہ گھوڑے پر قابو نہ رہے۔''یہ سن کر سکندر چابک ہوا میں لہراتے ہوئے مڑا اور بابا سے بولا:

''بول تو میر صاحب کے ہیں۔۔۔میر انیس کے لیکن ان سے معافی مانگ کر میں اسے 'تیز قدم' کے لیے استعمال کرتا ہوں۔''

''تیز قدم؟''

''جی۔ یہ جناب جو آپ کو ملیح آباد لیے جا رہے ہیں 'تیز قدم' انہیں کا نام ہے۔تو وہ بول آپ بھی سنیے:

''غصے میں انکھڑیوں کے ابلنے کو دیکھیے
بن بن کے جھوم جھوم کے چلنے کو دیکھیے
سانچے میں جوڑ بند کے ڈھلنے کو دیکھیے
تھم کر کنوتیوں کے بدلنے کو دیکھیے
گردن میں ڈالیں ہاتھ یہ پریوں کا شوق ہے
بالا دوی میں اس کو ہما پر بھی فوق ہے''

''واہ! میاں سکندر میر صاحب نے کیا کیا تعریفیں کی ہیں گھوڑے کی۔۔۔''

''اور بابا پرندے بھی ان کی شاعری میں بہت ہیں۔''

''میں تو کہتا ہوں جانور سے محبت کے بغیر ایسے حرف نہیں نکل سکتے۔''

''سچ کہتے ہیں۔میر صاحب نے ۔۔۔۔بتانے والے بتاتے ہیں پہلا شعر جب وہ پانچ برس کے تھے جانور ہی کے لیے کہا:

''افسوس کہ دنیا سے سفر کر گئی بکری آنکھیں تو کھلی رہ گئیں اور مر گئی بکری

اور بابا جب 'تیز قدم' کی طبیعت سست ہوتی ہے اور جب وہ دانے کی تھیلی میں اپنا منھ نہیں ڈالتا تو سکندر بھی لقمہ نہیں توڑتا۔''یہ کہہ کر سکندر بولا:

''اور بابا یہ بھی بتا دوں جب گھر پہنچ کر 'تیز قدم' کی راسیں کھولتا ہوں اور یہ لوٹیں لگا کر میرے سامنے تن کر کھڑا ہوتا ہے تو جی ویسے ہی خوش ہوتا ہے جیسے جوان بیٹے کے کس بل دیکھ کر۔تب میں دیر تک اس کی مالش کرتا ہوں،کھر ہرے سے اس کی ایال اور دم کے بال سلجھاتا ہوں اور اس کے سُموں کو سہلاتا ہوں۔''
ص۔۲۰۰۔۲۰۱

ان مکالموں کا یہ حصہ 'میاں گھوڑا بھی لکھنو کا ہے اور اس کا ہانکنے والا بھی یہیں کا۔۔۔سدھا ہوا جانور ہے۔پاؤں زمین پر نپے تلے پڑتے ہیں اور کام ہم لگام سے لیتے ہیں،چابک سے نہیں۔' ملاحظہ کریں کس طرح نپے تلے انداز میں الفاظ کو ادا کروایا جا رہا ہے۔'تو میاں شہر جانعالم کا ہے۔ یہاں آدمی تو آدمی چڑیا بھی چشم و ابرو کے اشارے سمجھتی ہے۔نشاں خاطر رہیں جب تک بٹیا تانگے سے اتر کر گھر کے دروازے بند نہیں کر لیں گی جانور ہمارا وہاں سے ہلے گا نہیں۔'اور سنیے چابک ہم وہاں چلاتے ہیں جہاں کوئی شہدا سامنے آجاتا ہے۔' کس طرح ایک تانگے والے کی زبان کے ذریعے ان جملوں کو ادا کروایا جا رہا ہے اور ضرورت پڑنے پر یہ تانگے والا استعاروں اور مبالغوں کا بھی

استعمال کر رہا ہے۔ دوسرے تانگے والے کی زبان تو اور بھی دلکش ہے اسے تو میر انیس کے بند بھی یاد ہیں بلکہ یہ تانگے والا تو ایک فلسفیانہ گفتگو کر رہا ہے' اور بابا پرندے بھی ان کی شاعری میں بہت ہیں، میں تو کہتا ہوں جانور سے محبت کے بغیر ایسے حرف نہیں نکل سکتے۔' اور تو اور اس کو میر انیس کا پہلا شعر

'افسوس کہ دنیا سے سفر کر گئی بکری
آنکھیں تو کھلی رہ گئیں اور مرگئی بکری'

بھی یاد ہے۔

(ان دونوں مثالوں کے مدّ نظر یہ بات آسانی سے کہی جا سکتی ہے کہ یہ مکالمے تانگے والوں کے تو نہیں ہو سکتے البتہ ان فلسفیانہ گفتگو میں انیس اشفاق کا دھوکا ضرور ہوتا ہے، ایسا لگتا ہے کہ تانگے والے کے بہانے انیس اشفاق خود ہی میر انیس کی شاعری کی خصوصیت ظاہر کرنے لگے ہیں۔ اور اگر یہ مان بھی لیا جائے کہ یہ زبان تانگے والوں کی ہے تو پھر گذشتہ صفحوں میں قاری کے ذریعے اٹھائے گئے وہ سوال جو لکڑ ہارا، ارجن اور دیگر ملاح، ٹھیکیدار اور بالخصوص رام دین کے علاوہ شہری، فلک آرا اور راوی کے الفاظ جسے انہوں نے اپنی گفتگو کے دوران ادا کیا ہے یا ناول نگار نے ادا کروایا ہے اس کو اور بھی تقویت فراہم ہوتی ہے)

ان دونوں تانگوں والوں کے مکالمے کے بعد جو بحث کی گئی ہے ان کو دو حصوں میں تقسیم کیا گیا ہے۔ پہلے حصے میں لفظ 'باپ' کو بحث کا موضوع بنایا گیا ہے اور دوسرے حصے میں ایسے جملے جو معیار سے گرے ہوئے ہیں کو موضوع بنایا گیا ہے۔ پہلا حصہ ملاحظہ کریں جس میں بابا، بہو صاحب (قصہ لکھنے والے کی بیوی) اور راوی کے علاوہ کچھ اور بھی کرداروں کے مکالمے شامل ہیں:

بابا کہتے ہیں: ''فلک آرا اپنے باپ کا قصہ جاننے کو بے چین ہے'' ص۔۹۱

بہو صاحب کا قول:

''۔۔۔ ہم اتنا جانتے ہیں کہ یہ اور ان کے باپ دونوں۔۔۔ یہ ان کے باپ ہی کی جمع کی ہوئی ہیں۔۔۔ جتنا ان باپ بیٹوں کو معلوم ہے۔۔۔ ص۔۱۶۰۔۱۶۱

یہ بابا اور بہو صاحب کے الفاظ ہیں جن میں لفظ 'والد کی جگہ 'باپ' کا استعمال کیا گیا ہے۔ اور ان دونوں کرداروں کا تعلق یا تو دربار سے ہے یا پھر وہ نوابی گھرانے سے ہیں۔ ان دونوں کرداروں کے لفظ پر سوال اس لیے ہے کیوں کہ یہ لوگ زبان کے اعتبار سے اچھے ماحول سے ہیں، بلکہ بہو صاحب تو اپنے ماحول کا بکھان فرش آرا کے اس سوال:

''آپ کے نوکر مرزا آپ کو بہو صاحب کہتے ہیں، آپ کا۔۔۔'' ص۔۱۶۱

پر اس انداز میں کرتی ہیں:

''جب سے اس گھر میں آئی ہوں سب بہو صاحب کہنے لگے۔ اب نام بھی یہی ہے عرفیت بھی یہی۔'' ص۔۱۶۱

جس گھر میں تہذیب کے اس منظر کو دکھایا گیا ہے کہ اسی گھر میں اسی بہو صاحب کی زبانی اپنے شوہر کو 'یہ' سسر کے لیے 'ان کے باپ' اور ان دونوں کے لیے لفظ 'ان باپ بیٹوں' کا استعمال پر ایک سوالیہ نشان ہے۔

زبان کے حوالے سے ان کرداروں کا بھی قول ملاحظہ کریں جن کا تعلق کہیں نا کہیں یا تو تعلیم سے ہے یا پھر نوابوں یا دربار سے ہے۔ راوی قصہ لکھنے والے کے نوکر مرزا سے سوال کرتا ہے:

''تو کیا ان کے باپ نے لکھنو پر بھی کتابیں لکھی ہیں؟'' ص۔۱۶۴

''۔۔۔ اسی کربلا میں لے جایا گیا جہاں ان کے باپ دفن تھے۔۔۔'' ص۔۲۸۴

رام دین کا یہ قول:

''یہاں جو بتایا ہوگا بابا پو نے بتایا ہوگا یا ان کے باپ نے۔'' ص۔۱۷۰

☆☆☆

مولانا صوفی خیرالدین صوفی

اردو کی بقا کے لیے حضرت رحمان جامی کی جہد مسلسل کو دنیا فراموش نہیں کرسکتی

اردو کی بقا اوراس کی ترقی کے لیے عملی اقدام کی ضرورت

رحمٰن جامی یادگار تقریب ایوارڈ سے مولانا مفتی سید صادق محی الدین، مولانا سید خسرو پاشا
اور سید عظمت اللہ حسینی پروفیسر ایس اے شکور مولانا خیرالدین صوفی کا خطاب

حضرت رحمٰن جامی نے اپنی مکمل زندگی جو نصف صدی سے زائد عرصے تک اردو کی بقا اوراس کی ترقی کے لیے جدو جہد کرتے رہے حضرت رحمٰن جامی کی اس جدو جہد کا نتیجہ ہے کہ آج ان کے شاگرد نہ صرف شہر حیدرآباد بھارت بلکہ اقطاع عالم میں موجود ہے حضرت رحمٰن جامی کی یہ خصوصیت تھی کہ جس کو اردو اور شاعری سے کوئی لگاؤ نہیں رہتا اس کو بھی شاعر بنا دیتے میڈیا پلس گن فاؤنڈری میں شاگردان رحمٰن جامی کے زیر اہتمام منعقدہ حضرت رحمٰن جامی یادگار ایوارڈ تقریب سے مخاطب کرتے ہوئے حضرت مولانا مفتی سید صادق محی الدین فہیم صاحب صدر اجلاس نے اپنا سلسلہ خطاب جاری رکھتے ہوئے کہا کہ آج اردو کو نقصان خود اردو داں طبقے سے ہو رہا ہے اور یہ بات اچھے معاشرے کے لیے پریشان کن ہے اردو کی بقا کے لیے ہر اردو داں کو آگے آنا چاہیے اس اجلاس سے مہمان خصوصی حضرت مولانا سید شاہ غلام افضل بیابانی المعروف خسرو پاشا چیئرمین حج کمیٹی تلنگانہ نے کہا کہ حضرت رحمٰن جامی شخصیت ہما پہلو تھی اور ان کو پڑھنے اور سننے والے دنیا کے ہر گوشے میں موجود ہے حضرت رحمٰن جامی نے اردو ادب کو اپنے منفرد اسلوب سے ایک نئی جہت عطا کی محبان رحمٰن جامی اور بالخصوص شاگردان رحمٰن جامی پر یہ ذمہ داری عائد ہوتی ہے کہ حضرت جامی کے اس مشن کو

جاری و ساری رکھے اس موقع پر چیئرمین ریاستی وقف بورڈ سید عظمت اللہ حسینی نے اپنے خطاب میں کہا کہ حضرت رحمٰن جامی سے میں صرف ایک مرتبہ ملا ہوں لیکن میری یہ ملاقات یادگار ثابت ہوئی مختصر وقفے کی ملاقات سے میں نے ان کے افکار اور بلند و بالا عزائم سے اس قدر متاثر ہوا کہ آج میں ان کی یادگار تقریب میں شرکت کرتے ہوئے فخر محسوس کر رہا ہوں میں تمام مسلمانوں کو حضرت رحمٰن جامی کے اس شہ نشین کے ذریعے یہ پیغام دے رہا ہوں کہ حضرت رحمٰن جامی نے زندگی بھر اردو کی خدمت کرتے ہوئے اپنا حق ادا کر دیا اب ہم پر یہ ذمہ داری ہے کہ اردو کی ترقی کے لیے ہم عملی اقدامات کریں اس کی پہلی

شروعات خود اپنے مکان سے ہونا چاہیے اپنے بچوں کی ذریعہ تعلیم اردو کا انتخاب کریں میرا تعلق ضلع کریم نگر سے ہے لیکن میرے والدین نے مجھے ساتویں جماعت تک اردو میڈیم سے تعلیم دلوائی اس کے بعد میں اردو کے ساتھ دیگر زبانوں سے بھی اپنے تعلیمی سفر کو جاری رکھا اور آج میں اپنے بچوں کو بھی اردو میڈیم سے تعلیم دلوا رہا ہوں آج ہمارے ذہن میں یہ بات سرایت کرگئی ہے کہ اردو ذریعے تعلیم سے روزگار کے مواقع حاصل نہیں ہوتے ہم کو یہ سوچ بدلنے کی ضرورت ہے جب سماج میں اکثریت اردو طبقے کی ہوگی تو حکومت کو مجبورا اردو داں کا سرکاری سطح پر تقرر کرنا لازمی ہوجائے گا لیکن اس کے لیے ہم کو اور ہماری مادری زبان اردو داں کو ایک نئی جہت کی طرف لانے کی ضرورت ہے میں بحیثیت چیئرمین یہ اعلان کرتا ہوں کہ ہمارے ادارے اور میری پارٹی سے جب بھی کوئی اردو کی ترقی کے لیے آئے گا میں نہ صرف شخصی طور پر بلکہ ریاست وقف بورڈ اور پارٹی کی طرف سے ہر ممکنہ تعاون کروں گا اس موقع پر پروفیسر ایس اے شکور نے حضرت رحمٰن جامی کو اپنا خراج عقیدت پیش کرتے ہوئے اپنی دیرینہ رفاقت پر روشنی ڈالی پروفیسر شکور نے کہا کہ حضرت رحمٰن جامی ایک خوددار اور چٹانی ارادوں کے حامل شخصیت تھے جب وہ کسی کام کا ارادہ کرلیتے تو اس کو پائے تکمیل تک پہنچاتے حضرت رحمٰن جامی کی اردو کے لیے خدمت رہتی دنیا تک قائم رہے گی اس پر اثر حضرت رحمٰن جامی یادگار ایوارڈ تقریب سے مخاطب کرتے ہوئے مولانا حکیم صوفی سید شاہ محمد خیر الدین قادری نے حضرت رحمٰن جامی کے شاگرد ہونے پر فخر کا اظہار کرتے ہوئے کہا کہ حضرت جامی ایک شفیق استاد کے علاوہ اپنے شاگردوں پر پدری شفقت بھی رکھتے تھے اور کبھی اپنے شاگردوں کو کمزور و شرمندہ ہونے نہیں دیتے اور زمانے کی نشیب و فراز سے آگاہی کرتے ہوئے اردو کی خدمت اور اردو کی بقا کے لیے جہد مسلسل کی تاکید کرتے مولانا خیر الدین صوفی نے اپنا سلسلہ خطاب جاری رکھتے ہوئے کہا کہ اگر کوئی ایک مرتبہ رحمٰن جامی سے ملاقات کرتا تو پھر وہ دوبارہ آپ سے ملنے پر مجبور ہو جاتا حضرت رحمٰن جامی کے انداز گفتگو اور مشفقانہ انداز سے سامعین کو پتہ بھی نہیں چلتا کہ کتنا طویل وقت ہوچکا ہے خیر الدین صوفی نے کہا کہ آج استاد محترم ہمارے بیچ نہیں ہے لیکن ان کی تعلیمات ان کے افکار ان کے کردار اور ان کے اطوار ہمارے لیے مکمل زندگی کا ایک اثاثہ ہے یقیناً استاذ محترم اپنی ذات میں ایک انجمن تھے اس یادگار ایوارڈ تقریب میں شہر حیدرآباد کے معروف و سرکردہ شخصیات مختار احمد فردین عبدالرب عارف صلاح الدین نیر سردار سلیم ڈاکٹر ہلال اعظمی ڈاکٹر قدوس نورانی نے حضرت رحمٰن جامی کو خراج عقیدت پیش کیا اس کے علاوہ رحمٰن جامی کے شاگردان و حیدرآباد کے معروف شعراء ڈاکٹر رحیم رامش شاہنواز ہاشمی طیب پاشاہ قادری محمد فضیل فوز سہیل عظیم تشکیل انور رزاقی نے بھی اپنا منظوم خراج عقیدت پیش کیا اس موقع پر حضرت مفتی سید صادق محی الدین فہیم پروفیسر رحمت یوسف زئی مختار احمد فردین ایس ایم ہاشمی عبدالکریم فہیم مولانا خیر الدین صوفی صلاح الدین نیر سردار سلیم کو حضرت رحمٰن جامی یادگار ایوارڈ سے بدست مہمانان خصوصی نوازا گیا اس کے علاوہ ڈاکٹر محمد محامد ہلال اعظمی ڈاکٹر قدس نورانی ڈاکٹر رحیم رامش میر نثار علی نامی سلیم اسلم نظامی معین الدین احمر نرملی شاہنواز ہاشمی نذیر نادر فضیل فوز ڈاکٹر طیب پاشا قادری تشکیل انور رزاقی سہیل عظیم محمد یحییٰ قادری شیخ شریف شیخ سعید سید مقبول سید سراج سعد اللہ خان سبیل محمد عبدالنعیم سبحان صدیقی عبدالرب عارف سید ایوب پاشاہ قادری امان اللہ خان عبدالایفاض مولانا ریاض الدین نقشبندی کو اعتراف خدمات یادگار حضرت رحمٰن جامی ایوارڈ سے نوازا گیا رات دیر گئے صدر جلسہ کے رقت انگیز دعا پر اس تقریب کا اختتام عمل میں آیا۔

ظہور ظہیر آبادی۔حیدرآباد،تلنگانہ

فضائل ماہِ صفر اور نعتیہ و منقبتی مشاعرہ کا انعقاد

بزم ظہور حیدرآباد کے زیر اہتمام مورخہ 13/اگست 2024ء کی شب حسامیہ نونہال اسکول یاقوت پورہ حیدرآباد میں جلسہ فضائل ماہِ صفراور نعتیہ و منقبتی مشاعرہ کا نہایت ہی کامیاب انعقاد عمل میں آیا۔جناب ظہورظہیرآبادی بانی وصدر بزم ظہور حیدرآباد نے تمام مہمانان کا تعارف پیش کرتے ہوئے خیر مقدم کیا۔جلسہ کا آغاز قاری نصیرالدین نقشبندی کی قرآت کلام پاک سے ہوا۔شہر بنگلور کرناٹکا سے تشریف لائے مہمان مولانا محمد ظہیرالدین قادری خطیب مدینہ مسجد سٹی مارکیٹ بنگلور کی حیدرآباد آمد پر مختصر وقت میں منعقد کی گئی اس محفل میں شعرائے کرام کی کثیر تعداد نے شرکت کرتے ہوئے جلسہ و مشاعرہ کو کامیاب بنایا۔جلسہ فضائل ماہِ صفر کی صدارت محترم المقام قاضی محمد سراج الدین رضوی صاحب صدر مظہر ملت اکیڈمی نے فرمائی۔مولانا محمد زعیم الدین حسامی صاحب معتمد سراج العلماء اکیڈمی و مولانا ڈاکٹر محمد محامد ہلال اعظمی صاحب مدیر اعلی ماہنامہ صدائے شبلی حیدرآباد مہمانان خصوصی کی حیثیت سے شرکت کی۔مہمانِ اعزازی بنگلور سے تشریف لائے مولانا محمد ظہیرالدین قادری صاحب خطیب مدینہ مسجد سٹی مارکیٹ بنگلور کی بزم ظہور حیدرآباد کی جانب سے بانی وصدر بزم ظہور ظہیر آبادی نے شالپوشی کی اور مولانا محمد زعیم الدین حسامی صاحب سے بنگلور کے مولانا کے ہمراہ تشریف لائے ایک اور مہمان محترم سید مقبول احمد شاہ قادری خزانچی مدرسہ معراج المومنین بنگلور کی گلپوشی ظہورظہیرآبادی نے بدست حافظ وقاری قاضی عظمت اللہ شاہ صوفی جعفری نوری اعظمی سے کروائی۔قاضی عظمت اللہ جعفری صدر دبستان مسرور نے بھی اپنی جانب سے مہمان مولانا ظہیرالدین قادری بنگلور کی شالپوشی وگلپوشی کرتے ہوئے تہنیت پیش کی۔صدر جلسہ قاضی محمد سراج الدین رضوی نے جلسہ سے خطاب کرتے ہوئے کہا کہ ماہِ صفر کو نحوس کہنے والے ہی نحوس ہوتے ہیں۔اور لوگوں کو یہ وہم ہے کہ اس ماہ شادی کرنا اچھا نہیں ہوتا۔۔۔۔جو سراسر غلط ہے۔۔۔اسی ماہ میں حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کا نکاح ہوا اور دنیا میں سب سے کامیاب نکاح ثابت ہوا۔۔۔۔ مہمانان خصوصی مولانا ڈاکٹر محمد محامد ہلال اعظمی اس ماہ کے تعلق سے خطاب میں کہا کہ کچھ لوگ اس ماہ میں غلط رسومات کرتے ہیں چند جاہلوں کی پھیلائی ہوئی غلط رسومات کو انجام دیکر آخرت خراب کر رہے ہیں۔مولانا محمد زعیم الدین حسامی

صاحب نے اپنے خطاب میں کہا کہ اس ماہ کے تعلق سے ایسی من گھڑت باتیں پھیلائی گئی ہیں جس کا حقیقت سے کوئی تعلق نہیں کچھ لوگ بھٹکے ہوئے ہے اس لئے تیرا تیزی وغیرہ پر یقین رکھتے ہوئے خرافات کرتے ہیں یہ سب جہالت کے سوا کچھ نہیں اور مہمان اعزازی مولانا ظہیر الدین قادری صاحب بنگلور نے جلسہ سے خطاب کرتے ہوئے بچوں کی تعلیم و تربیت پر زور دیا والدین کو اپنے بچوں سے کس طرح پیش آنا چاہیے اس پر روشنی ڈالتے ہوئے فضائل ماہ صفر بیان کیں۔۔تمام مقررین نے ظہور ظہیر آبادی کی کاوشوں کی بھرپور ستائش کی۔بعد ازاں نعتیہ و منقبتی مشاعرہ کا آغاز ہوا۔جس کی نگرانی حافظ وقاری قاضی عظمت اللہ شاہ صوفی جعفری نوری اعظمی نے کی۔ڈاکٹر طیب پاشا قادری، جناب محمد ارشد شرفی، جناب ثناء اللہ انصاری وصفی مہمانان خصوصی تھے۔شعرائے کرام نگران نعتیہ و منقبتی مشاعرہ حافظ وقاری قاضی عظمت اللہ شاہ صوفی جعفری نوری اعظمی، ڈاکٹر طیب پاشا قادری، جناب ارشد شرفی، جناب ثناء اللہ انصاری وصفی، جناب نور الدین امیر، جناب لطیف الدین لطیف، جناب سید مصطفی علی سید، جناب عارف شجر، جناب جہانگیر قیاس، جناب تشکیل انور رزاقی، جناب میر مقبول علی مقبول، جناب سہیل عظیم (ناظم مشاعرہ) جناب گوونداکشے، داعی محفل ظہور ظہیر آبادی، جناب محمد شرف الدین ارشد، جناب محمد شاکر علی، جناب جدت اسلوبی، جناب خلش حیدر آبادی، قاری نصیر الدین نقشبندی نے کلام سنا کر خوب داد و تحسین حاصل کی۔نظامت کے فرائض جناب سید سہیل عظیم نے بخوبی انجام دئے۔داعی محفل ظہور ظہیر آبادی کے اظہار تشکر پر اس خوبصورت محفل کا اختتام ہوا۔

☆☆☆

سردار سلیم۔حیدر آباد

طرحی غزل

دشتِ بے روح میں اک چہرہ اگایا جائے
پھر کوئی آئینہ مٹی میں دبایا جائے

داغ ہے، نقش نہیں ہے کہ مٹایا جائے
بھولنے والے تجھے کیسے بھلایا جائے

پھول کو کھلنے کا انداز سکھایا جائے
تیرے ہونٹوں کے تبسم سے ملایا جائے

ختم ہوتی ہے سڑک شہرِ تمازت کی جہاں
اسی پگڈنڈی پہ اک گاؤں بسایا جائے

تیرتے ہیں جہاں مٹی کے گھڑے پانی میں
پھر اسی دور میں انسان کو لایا جائے

کوچۂ عشق کی لگ جائے ہوا جس کو بھی
اس کو دنیا میں کہیں اور نہ پایا جائے

وہ ملا ہے تو چلو بات نکالیں کوئی
اس کا وعدہ ہی اسے یاد دلایا جائے

اس کی خوشبو نے مرے پاؤں جکڑ رکھے ہیں
اس کے پہلو سے کہیں اٹھ کے نہ جایا جائے

چن کے احباب کے پھینکے ہوئے سارے پتھر
سوچتا ہوں کوئی مینار بنایا جائے

ہم کو اس روز نہ چین آئے نہ آرام آئے
دل پہ جس روز کوئی زخم نہ کھایا جائے

جن چراغوں کے دھویں سے ہے گھٹن کا ماحول
پہلی فرصت میں سلیم ان کو بجھایا جائے

مولانا ڈاکٹر محمد محامد ہلال اعظمی

آزادی کا مطلب مجاہدین آزادی کے خوابوں کو پورا کرنا

آزادی میں علماء مدارس کا اہم کردار رہا

یوم آزادی کے موقع پر شبلی انٹرنیشنل ایجوکیشنل ٹرسٹ حیدرآباد کے زیر انتظام مدرسہ اسلامیہ نجم العلوم وادئ عمر شاہین نگر حیدرآباد میں پروگرام ہوا۔ ناظم مدرسہ مولانا مفتی ڈاکٹر محمد محامد ہلال اعظمی نے ترنگا پھہرایا، راشٹریہ گیت مدرسہ کے طالب علموں نے پڑھا، پروگرام کا آغاز تلاوت ربانی سے ہوا، مدرسہ ہذا کے کئی طالب علموں نے حضور اکرم ﷺ کی شان میں نذرانہ عقیدت پیش کیا اور قومی نظمیں پڑھیں، ناظم اجلاس مولانا حافظ شمس تبریز نے موضوع کی مناسبت سے پر مغزل خطاب کیا، آزادی کا پس منظر پیش منظر اور علماء اور مدارس کی قربانیوں کا خوب تذکرہ کیا، مدرسہ ہذا کے طالب علموں نے آزادی کے موضوع پر تقریریں کیں، مدرسہ ہذا کے مدرس مولانا حافظ مبشر خان قاسمی نے آزادی کے موضوع پر خطاب کیا، مدرسہ ہذا کے ناظم مولانا مفتی ڈاکٹر محمد محامد ہلال اعظمی نے مجاہدین آزادی کو خراج عقیدت پیش کیا اور کہا کہ آزادی کی لڑائی ہندو، مسلمان، سکھ، عیسائی سبھی لوگوں نے مل کر لڑی، بالخصوص علماء مسلمانوں اور مدارس

اسلامیہ کا کردار نمایاں رہا، مگر آج ۷۷ سال کے بعد کچھ ارباب حکومت آزادی کی روح کو نہیں سمجھ پا رہے ہیں اور ملک میں نفرت کا ماحول پیدا کر رہے ہیں۔ بقول شاعر

جو اصول گلستاں سے واقف نہ تھے
نظام چمن ان کے ہاتھ آ گیا

اس اہم پروگرام میں مدرسہ ہٰذا کے سبھی طلباء اور مدرسہ ہٰذا کے ذمہ دار مولانا محمد مساعد ہلال احیائی، حافظ وقاری محمد وقار حسامی، مدرسہ کے مدرس حافظ محمد رحمت اللہ سراجی، حافظ محمد فوزان نجمی، محمد مصادق ہلال اور دیگر موجود تھے، مدرسہ کے مدرس حافظ رحمت اللہ سراجی کی دعا پر جلسہ کا اختتام عمل میں آیا۔

☆☆☆

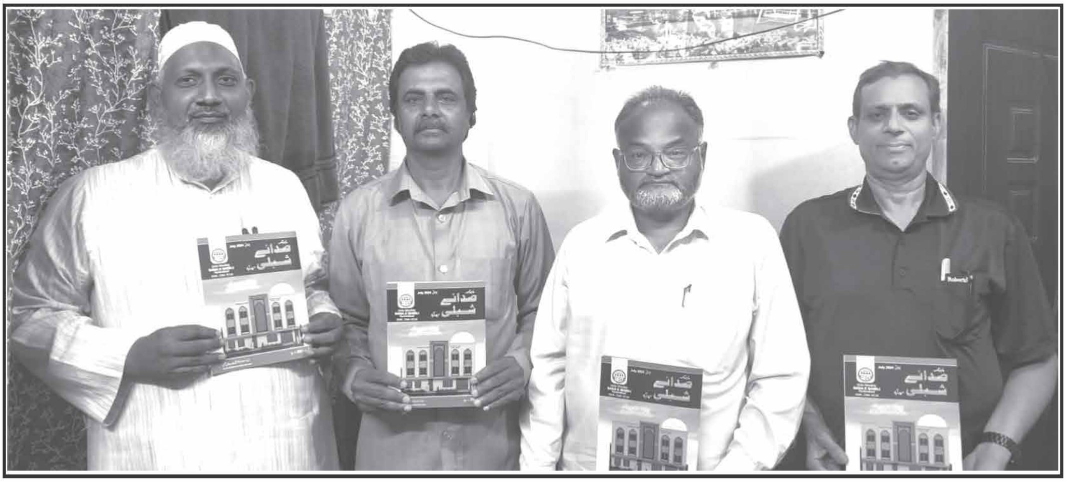

ماہ جولائی 2024ء کا شمارہ ڈاکٹر محمد شاہد علیگ، ڈاکٹر ناظم علی، تشکیل انور رزاقی اور مدیر ڈاکٹر محمد محامد ہلال اعظمی کے ہاتھوں میں۔

DR. S.J HUSSAIN
MD (Unani)
Former director Incharge
Central Research Institute Of Unani Medicine
Govt of India

website: www.unanicentre.com
Email:syedjalilhussain@gmail.com
jaleel_hussain@yahoo.com

Dr. Jaleel's
UNANI CENTER FOR CARDIAC
یونانی سینٹر فار کارڈیک کیر

Consultation Time
Morning: 9:00 am to 2:00 pm
(Friday Morning and Sunday Evening Closed)

Cell:
+91 8142258088
+91 7093005707

Adress -: No: 8-1-332/3/B-69, RoadNo 1(A)Arvind Nagar Colony
Tolichowk Hyderabad - 500008 T.S India

شبلی انٹرنیشنل ایجوکیشنل اینڈ چیریٹیبل ٹرسٹ، حیدرآباد

SHIBLI INTERNATIONAL

EDUCATIONAL & CHARITABLE TRUST

Regd. No.
180/2016

مدرسہ و مسجد کے تعاون کی اپیل

حدیث نبوی ﷺ ہے خَیرُکُم مَن تَعَلَّم القُرآن وَعَلَّمَہ ۔تم میں بہترین انسان وہ ہے جو قرآن سیکھے اور سکھائے۔اس حدیث سے علم اور قرآن علم کی اہمیت کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔اسی علم کی نشر واشاعت کے لئے **مدرسہ اسلامیہ نجم العلوم** ۱۵؍جنوری ۲۰۱۷ء کو قائم کیا گیا تاکہ امت مسلمہ کے نونہالان زیور علم سے آراستہ ہوں اور ملک وملت کی خدمت میں وقف ہو جائیں۔ اللہ تعالیٰ اسے قبول فرمائے۔آمین یارب العلمین۔

مدرسہ ہذا کی کوئی مستقل آمدنی نہیں ہے۔جملہ اخراجات کی ادائیگی اہل خیر حضرات کے تعاون سے ہوتی ہے۔

الحمدللہ مدرسہ میں تعمیری کام بھی جاری ہے،اس وجہ سے اہل خیر حضرات سے گذارش ہے کہ مدرسہ کا نقد یا اشیاء کے ذریعہ تعاون فرما کر یا کسی طالب علم کی کفالت لیکر شکریہ کا موقع عنایت فرمائیں۔نوازش ہوگی۔

مسجدِ الٰھی

زیر انتظام شبلی انٹرنیشنل ایجوکیشنل اینڈ چیریٹیبل ٹرسٹ حیدرآباد کا تعمیری کام جاری ہے۔الحمدللہ ثم الحمدللہ ایک مخیرّہ خاتون نے 126 گز اراضی ٹرسٹ ہذا کو مسجد کے لئے وقف کیا ہے، اللہ تعالیٰ مخیرّہ کو دونوں جہاں میں بہترین بدلہ دے، آمین۔ مسجدِ الٰہی کی زمین مدرسہ اسلامیہ نجم العلوم وادیٔ عمر شاہین نگر حیدرآباد کا (اقامتی وغیر اقامتی) ادارہ ہے، جو شبلی انٹرنیشنل ایجوکیشنل ٹرسٹ کے زیر انتظام 2017 سے خدمات انجام دے رہا ہے، بالکل اسی سے متصل ہے۔مدرسہ ہذا اور بستی کے لئے مسجد ناگزیر ہے، اس وجہ سے آپ تمام حضرات سے گزارش کی جاتی ہے کہ مسجد ہذا کے تعمیری کام میں نقد یا اشیاء کے ذریعہ معائنہ کر کے حصہ لے کر ثوابِ دارین حاصل کریں۔

جزاک اللہ خیرًا احسن الجزاء.

Bank Name : IDBI **A/c Number :** 1327104000065876
A/c Name : SHIBLI INTERNATIONAL EDUCATIONAL AND CHARITABLE TRUST
IFSC Code : IBKL0001327. Branch: Charminar
G Pay & Phone Pay : 8317692718, WhatsApp: 9392533661

العارض: حافظ وقاری مفتی ڈاکٹر محمد محامد ہلال اعظمی خطیب مسجد عالیہ، بانی وناظم مدرسہ ہذا چیرمین شبلی انٹرنیشنل ایجوکیشنل ٹرسٹ حیدرآباد

Urdu Monthly
SADA E SHIBLI
Hyderabad

August 2024 اگست

RNI: TELURD/2018/77022
ISSN: 2581-9216
Rs. 20/-

ABDUL WAHED
PROPRIETOR
Cell: 98480 36940

For Orders : 90302 02018
86396 32178
89197 03547

KGN XLNT TEA
Rich Aroma, Refreshing Taste
PREMIUM QUALITY TEA

KGN
TEA SALES

UMBRELLA BRAND TEA
Rich Aroma, Refreshing Taste
GOLDEN QUALITY TEA

WHOLESALE & RETAIL TEA MERCHANT

S.No.: 22-1-114, Jambagh, Kali Khabar Main Road, Dar-ul-shifa, Hyderabad - 500 024, TS
Off.: 5-3-989, 104, First Floor, Sherza Estates, N.S. Road, M.J. Market, Hyderabad - 500 095
email: kgnteasales@gmail.com

Editor, Printer, Published & Owned by Mohd. Muhamid Hilal
Printed at Daira Electric Press, #22-8-143, Chatta Bazar, Hyderabad. 500 002.
Published at #17-3-352, B1, 2nd Floor, Bafana Complex, Dabeerpura, Hyderabad - 23, T.S
Cell: 9392533661, 8317692718, Email: muhamidhilal@gmail.com